ماہنامہ
ہمدرد
نونہال
اگست ۲۰۱۶ء

اشاعت کا ۶۴ واں سال

یادگار: شہید پاکستان حکیم محمد سعید

ماہنامہ ہمدرد نونہال

صدر مجلس
سعدیہ راشد

مدیر اعلا
مسعود احمد برکاتی

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

شمارہ ۸ | جلد ۶۴

اگست ۲۰۱۶ عیسوی

ذیقعد ۱۴۳۷ ہجری

قیمت عام شمارہ
۳۵ رُپے
سالانہ (عام ڈاک سے)
۳۸۰ رُپے
سالانہ (رجسٹری سے)
۵۰۰ رُپے
سالانہ (دفتر سے دستی لینے پر)
۳۴۰ رُپے
سالانہ (غیر ممالک سے)
۵۰- امریکی ڈالر

ٹیلے فون: 36620945 سے 36620949
36616001 سے 36616004
ایکسٹینشن: (054 یا 052 یا 066)
ٹیلے فیکس نمبر: (92-021) 36611755
ای میل: hfp@hamdardfoundation.org
ویب سائٹ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان: www.hamdardfoundation.org
ویب سائٹ ہمدرد لیبارٹریز (وقف): www.hamdardlabswaqf.org
ویب سائٹ ادارہ سعید: www.hakimsaid.info
فیس بک پیج: www.facebook.com/Hamdardfoundationpakistan

دفتر ہمدرد نونہال ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰

"ڈاک خانے کے نئے قاعدوں کی وجہ سے آئندہ ہمدرد نونہال کی قیمت صرف بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں قابل قبول ہوگی، VPP بھیجنا ممکن نہیں ہے۔"

قرآنی آیات اور احادیث نبوی کا احترام ہم سب پر فرض ہے

سعدیہ راشد پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارہ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد کراچی سے شائع کیا

سرورق کی تصویر: عبید الرحمٰن ضیا، کراچی

ISSN 0259-3734

اس شمارے میں کیا کیا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فضول خرچی کسی کو بھی پسند نہیں۔ اگر کسی شخص کو فضول خرچ کہا جائے تو سمجھو کہ اس کی تعریف نہیں ہو رہی ہے، بُرائی ہو رہی ہے۔ لوگوں کو پسند ہو یا نہ ہو، فضول خرچ آدمی خود اپنے لیے بھی اچھا نہیں ہوتا۔ جب اس کے پاس پیسہ ہوتا ہے تو وہ ضرورت، بے ضرورت چیزیں خرید کر اُڑا دیتا ہے۔ جب پیسہ ختم ہو جاتا ہے تو پریشان ہوتا ہے۔

انسان کو خرچ ضرور کرنا چاہیے۔ پیسہ ہوتا ہی اس لیے ہے کہ آدمی اس سے فائدہ اُٹھائے، اپنے آرام اور ضرورت کی چیزیں خریدے، لیکن ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اچھا نہیں ہے۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ پیسہ بچا کر نہیں رکھ سکتے۔ ان کی جیب سے جب تک پیسہ نکل کر دوسروں کی جیب میں نہ پہنچ جائے، ان کو سکون نہیں ملتا۔ یہ عادت اچھی نہیں ہے۔

تمھارے پاس جو کچھ ہو، اس کو ضروری چیزیں خریدنے پر خرچ کرو۔ باقی پیسے بچا کر رکھو۔ بچت کی عادت بڑی اچھی عادت ہے۔ جمع کیا ہوا پیسہ وقت پر کام آتا ہے۔ تمھارے کام بھی آتا ہے اور تمھارے عزیزوں اور دوستوں میں سے کسی کو ضرورت پڑے تو ان کے بھی کام آ سکتا ہے۔

درمیان کا راستہ سب سے اچھا راستہ ہے۔ جس طرح فضول خرچی اچھی چیز نہیں، اسی طرح کنجوسی کی عادت بھی اچھی نہیں ہے۔ دونوں کے درمیان رہنا چاہیے۔ ضرورت کے مطابق خرچ کرو اور ضرور کرو۔ ضرورت سے زیادہ ہرگز خرچ نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ بھی فضول خرچی (اسراف) کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ہمارے پیارے ملک کو بھی پیسے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اپنے ملک کی خاطر بھی فضول خرچی سے پرہیز کرنا چاہیے۔

(ہمدرد نونہال جنوری ۱۹۹۲ء سے لیا گیا)

اگست ۲۰۱۶ء کا شمارہ حاضر ہے۔ اُمید ہے ہمیشہ کی طرح پسند آئے گا۔ گزشتہ مہینے نونہالوں نے خوشی خوشی عید منائی اور ہمیں بھی مبارک باد دی۔ ان سب نونہالوں کا بہت بہت شکریہ۔

اگست کا مہینا بھی خوشیوں کا مہینا ہے۔ اسی مہینے میں ہمیں آزادی جیسی عظیم نعمت ملی تھی، لیکن یہ آزادی ہمیں آسانی سے نہیں ملی تھی۔ اس کے لیے ہمیں بے انتہا جدوجہد کرنی پڑی تھی۔ یہ آزادی ہم پر اللہ کا احسان ہے۔ آزادی دلانے والے تو اپنا فرض ادا کر کے چلے جاتے ہیں، لیکن ان کے بعد آنے والوں کی ذمے داری ہوتی ہے کہ وہ اسے قائم رکھیں اور عوام کی فلاح و بہبود کے لیے کام کریں۔ اگر حکمراں اچھے ہوں تو وطن جنت کا نمونہ بن جاتا ہے۔ اس کی مثال ہمارے پڑوسی ملک چین کی ہے، جو ہمارے بعد آزاد ہوا اور آج دنیا کے پانچ بڑے، طاقتور ملکوں میں سے ایک ہے۔ جدید چین کے بانیوں میں ماؤزے تنگ کا نام سرِ فہرست ہے، جو ملک کے پہلے صدر بنے۔ آزادی کے بعد ملک کی ترقی کے لیے انھوں نے جو بڑے کام کیے، ان میں تعلیم کو اوّلیت دی اور اس کے لیے اپنی قومی زبان کو اہمیت دی۔ یہ حقیقت ہے کہ دنیا کی تمام ترقی یافتہ قوموں نے اپنی قومی زبان میں تعلیم حاصل کی۔ ماؤزے تنگ کو انگریزی زبان پر عبور تھا، لیکن انھوں نے کبھی کسی کے سامنے انگریزی کا ایک لفظ بھی منھ سے نہیں نکالا۔ کوئی غیر ملکی وفد آتا تو انگریزی جاننے کے باوجود مترجم کے ذریعے سے بات کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ میں اپنی قوم اور قومی زبان سے انتہائی محبت کرتا ہوں اور دنیا کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ چین کوئی گونگا ملک نہیں ہے، اس کی اپنی زبان ہے۔

پاکستان کی بھی اپنی قومی زبان ہے، پاکستان بھی کوئی گونگا ملک نہیں ہے۔ ۲۱ مارچ ۱۹۴۸ء کو ڈھاکا میں قائداعظم نے اردو کو قومی زبان قرار دیا تھا۔ پاکستان کا آئین بھی اسے تسلیم کرتا ہے۔ ہماری قومی زبان اردو پورے پاکستان میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اردو کے بے شمار قلم کاروں میں ایسے لوگ بھی شامل ہیں، جن کی مادری زبان اردو نہیں تھی، پھر بھی وہ سب اردو سے محبت کرتے تھے۔ منشی پریم چند، راجندر سنگھ بیدی، کنور مہندر سنگھ بیدی، کرشن چندر، رام لعل، جگن ناتھ آزاد، کنہیا لال کپور، تلوک چند محروم، دیا شنکر نسیم، فراق گورکھ پوری سمیت اور بہت سے دوسرے ادیبوں کی تحریروں سے اردو کو طاقت ملی۔ مشہور ادیب خواجہ حسن نظامی کا قول ہے کہ ''اردو بولیے، اردو لکھیے، اردو پڑھیے۔'' آیئے ہم سب مل کر اس قول پر عمل کرنے کا عہد کریں، تاکہ متحد رہیں، آزاد رہیں۔

سلیم فرخی

سونے سے لکھنے کے قابل زندگی آموز باتیں

روشن خیالات

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

جو شخص نرم مزاجی سے محروم رہا، وہ ساری بھلائی سے محروم ہوا۔

مرسلہ : سیدہ مبین فاطمہ عابدی، پنڈ دادخان

حضرت امام شافعیؒ

ایمان دار تاجر کا مرتبہ، ایک عبادت گزار کے مرتبے کے برابر ہے۔ مرسلہ : حماد انیس، لانڈھی

شیخ سعدیؒ

حریص آدمی ساری دنیا لے کر بھی ناشکرا رہتا ہے اور قناعت پسند ایک روٹی ملنے پر بھی شکر گزار ہوتا ہے۔ مرسلہ : ناعمہ ذوالفقار، کراچی

جبران خلیل جبران

محبت اور شک ایک دل میں نہیں رہ سکتے۔

مرسلہ : روبینہ ناز، کراچی

بابائے اردو مولوی عبدالحق

لفظ ایک جادو ہے، جو بے موقع استعمال سے بے اثر ہو جاتا ہے۔ مرسلہ: عاقب خان جدون، ایبٹ آباد

قائداعظم محمد علی جناح

اگر تم آپس میں اتحاد کے ساتھ رہو گے تو میں یقین دلاتا ہوں کہ دنیا کی کوئی طاقت تمھیں شکست نہیں دے سکتی۔ مرسلہ: ناجیہ وسیم، دستگیر

شہید حکیم محمد سعید

مخاطب کرنے والے کے انداز سے لوگ اس کی تہذیب کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔

مرسلہ: شمائلہ ذیشان، ملیر

شیکسپیئر

استاد، والدین اور قانون، ان تینوں کا لازمی احترام کرو۔ مرسلہ : تعریص محمد ابراہیم احمدانی، سانگھڑ

تھامس فلر

وہ دن جس میں کچھ حاصل نہ کیا جائے، بہت کچھ چھین لیتا ہے۔ مرسلہ : محمد ارسلان صدیقی، کراچی

چینی کہاوت

احسانات کے بوجھ سے دبی ہوئی زندگی انسان کے شایانِ شان نہیں ہے۔

مرسلہ: عائشہ محمد خالد قریشی، سکھر

حمدِ باری تعالیٰ

ایس مغنی حیدر

اے خالقِ زمان و انسان و مرغ و ماہی
جاری ہے ہر زباں پر ، تیری ثنا الٰہی!

مالک ہے تُو سب ہی کا، کون و لامکاں کا
ارض و سما میں ہر سُو ، تیری ہے بادشاہی

نیلے فلک کو تُو نے ، تاروں سے جگمگایا
قدرت تری عیاں ہے ہر چیز سے الٰہی!

سورج کو تُو نے بخشی ، گرمی بھی روشنی بھی
خالق ہے تُو سب ہی کا، دیتا ہے دل گواہی

تیرے سوا ازَل سے ، کوئی نہیں ہے دائم
شمس و قمر ہیں راہی ، حیدؔر بھی تیرا راہی

اپنا پاکستان

نسرین شاہین

۱۴-اگست ۱۹۴۷ء کو ۲۷ رمضان المبارک کی گھڑیوں میں پاکستان قائم ہوا۔ یہ ہماری خوشیوں، آرزوؤں، اُمنگوں اور امن کا گہوارہ ہے۔ دنیا کی کون سی نعمت ہے، جو ہمارے پاکستان میں نہ ہو۔ برف پوش پہاڑ، بلند و بالا چوٹیاں، پہاڑوں کے دامن میں رواں گنگناتے چشمے، جھرنے، آبشاریں اور جھیلیں، زرخیز زمینوں پر لہلہاتے ہرے بھرے کھیت کھلیان اور اونچے درخت، گھنے جنگلات۔ مسحور کن حسین وادیاں اور ان کے بیچ رواں دواں جھاگ اُڑاتا صاف پانی، کہیں صحرا تو کہیں سمندر ہیں۔ کہیں معدنی وسائل سے مالا مال زمینیں اور کانیں تو کہیں رنگ بدلتے موسموں کی بہاریں اور رنگ برنگے پرندوں کی چہچہاہٹ، سبھی کچھ تو ہے۔ قدرت نے انتہائی فیاضی سے ہمیں اپنی نعمتوں سے نوازا ہے۔ اس پر ہم سب اللہ کا جتنا شکر ادا کریں، کم ہے۔

آزادی بھی ایک نعمت ہے، جس کی قدر صرف وہی لوگ جان سکتے ہیں، جنھوں نے اسے حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کی، قربانیاں دیں، اپنے پیاروں کی جدائی کا غم برداشت کیا۔ اپنی جان اور مال کی قربانی دے کر آنے والی نسلوں کے لیے آزادی کی شمع روشن کی۔ ۱۴-اگست کا دن اپنے بزرگوں کے کارناموں کو یاد کرنے اور سراہنے کا دن ہے۔

قوموں کی زندگی میں سب سے اہم دن ان کی آزادی کا ہوتا ہے۔ ہم پاکستانی بھی زندہ قوم ہیں اور ہمارے لیے بھی ہماری آزادی کا دن بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس دن جشنِ آزادی کی تقریبات پورے جوش وخروش سے منائی جاتی ہیں۔ لہراتے سبز ہلالی پرچم،

سبز رنگ کی جھنڈیاں اور برقی قمقموں سے سجی عمارتیں اور فضاء میں گونجتے قومی نغمے ہر دل میں حب الوطنی کے جذبے کو بڑھا دیتے ہیں۔

بچے اور نوجوان اس دن کی مناسبت سے اسی انداز کا لباس پہنتے ہیں۔ ان کا یہ لباس دلوں میں وطن کی محبت جگاتا ہے۔ سبز اور سفید رنگ کا لباس ماحول کو خوشنما بنا دیتا ہے۔ یومِ آزادی پر یہ سب کچھ بھی ہو، لیکن ساتھ ہی اپنے گھر میں بھی آزادی کی تقریب منانے کا اہتمام کریں تو یہ بھی ایک نیا انداز ہوگا۔ اس موقع پر بزرگ حصولِ آزادی میں ماضی میں پیش آنے والی مشکلات کے واقعات نونہالوں کو سنا کر ان میں وطن سے محبت کا جذبہ بیدار کریں۔

آزادی کی خوشی کو دوبالا کرنے کے لیے نونہال خود اپنے بزرگوں کے پاس بیٹھ کر ان سے آزادی کی جدوجہد کے قصے سنیں۔ یومِ آزادی کے موقع پر بچے آپس میں مل کر ایک گھر میں چھوٹی سی تقریب کا اہتمام کریں۔ گھر کے کسی بزرگ سے درخواست کریں کہ وہ آپ کو پاکستان کی آزادی کی روداد سنائیں اور اس سلسلے میں واقعات کو دُہرائیں۔ وہ نئی نسل کو آزادی کے لیے دی گئی قربانیوں سے آگاہ کریں۔ انھیں یہ بتائیں کہ جس ملک میں وہ آزادی کے ساتھ رہ رہے ہیں، اسے حاصل کرنے کے لیے بزرگوں کو کتنی قربانیاں دینی پڑیں۔

حقیقی واقعات سنانے سے بچے آزادی کا اصل مفہوم بھی سمجھ لیں گے۔ اس طرح ان کی معلومات میں بھی اضافہ ہوگا اور انھیں اپنے ملک کی تاریخ سے دل چسپی پیدا ہوگی۔ نصابی کتابوں میں یومِ آزادی یا برصغیر کی تقسیم کے اسباق شامل ہوتے ہیں، جنھیں

اکثر طالب علم بڑی بے دلی سے پڑھتے ہیں۔ بچوں کو پڑھانے والے استاد ایسا انداز اختیار کریں کہ طالب علم ان اسباق میں دل چسپی لیں۔ بچوں کے ذہن میں کئی سوال اُٹھتے ہیں، مثلاً اس ملک کو کیسے حاصل کیا گیا؟ جدو جہد کیسے ہوئی؟ اور آزادی حاصل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ بچوں کو چاہیے کہ وہ خود اپنے استادوں سے آزادی کے بعد کے حالات و واقعات پوچھیں، تاکہ ذہنوں میں اپنے وطن کی تاریخ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے۔ ☆

آپ کی تحریر کیوں نہیں چھپتی؟

اس لیے کہ تحریر: ◆ دل چسپ نہیں تھی۔ ◆ بامقصد نہیں تھی۔ ◆ طویل تھی۔ ◆ صحیح الفاظ میں نہیں تھی۔ ◆ صاف صاف نہیں لکھی تھی۔ ◆ پنسل سے لکھی تھی۔ ◆ ایک سطر چھوڑ کر نہیں لکھی تھی۔ ◆ صفحے کے دونوں طرف لکھی تھی۔ ◆ نام اور پتا صاف نہیں لکھا تھا۔ ◆ اصل کے بجائے فوٹو کاپی بھیجی تھی۔ ◆ نونہالوں کے لیے مناسب نہیں تھی۔ ◆ پہلے کہیں چھپ چکی تھی۔ ◆ معلوماتی تحریروں کے بارے میں یہ نہیں لکھا تھا کہ معلومات کہاں سے لی ہیں۔ ◆ نصابی کتاب سے بھیجی تھی۔ ◆ چھوٹی چھوٹی کئی چیزیں مثلاً شعر، لطیفہ، اقوال وغیرہ ایک ہی صفحہ پر لکھے تھے۔

تحریر چھپوانے والے نونہال یاد رکھیں کہ

◆ ہر تحریر کے نیچے نام پتا صاف صاف لکھا ہو۔ ◆ کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر ہرگز نہ لکھیے۔ ◆ تحریر بھیجنے سے پہلے یہ نہ پوچھیں کہ "کیا یہ چھپ جائے گی؟" ◆ مختصر صاف لکھی ہوئی تحریر کی باری جلد آتی ہے۔ ◆ نظم کسی بڑے سے اصلاح کر کے بھیجیے۔ ◆ نونہال مصور کے لیے تصویر کم از کم کاپی سائز کے سفید موٹے کاغذ پر گہرے رنگوں میں بنی ہو۔ ◆ تصویر کے اوپر نام نہ لکھیے بلکہ تصویر کے پیچھے لکھیے۔ ◆ تصویر خانہ کے لیے بھیجی گئی تصویریں جب ماہرین مسترد کر دیتے ہیں تو وہ ضائع ہو جاتی ہیں۔ واپس منگوانا چاہتے ہوں تو پتے کے ساتھ جوابی لفافہ ساتھ بھیجیے۔ ◆ تصویر کے پیچھے بچے کا نام اور جگہ کا نام ضرور لکھیے۔ ◆ بیت بازی کا ہر شعر الگ کاغذ پر ٹھیک ٹھیک لکھ کر شاعر کا صحیح نام ضرور لکھیے۔ ◆ ہنسی گھر کے لیے ہر لطیفہ الگ کاغذ پر لکھیے۔ ◆ لطیفے گھسے پٹے نہ ہوں۔ ◆ روشن خیالات کے لیے ہر قول الگ کاغذ پر لکھیے۔ ◆ قول بہت مشکل نہ ہو۔ ◆ علم در یچے کے لیے جہاں سے بھی کوئی ٹکڑا لیا ہو، اس کا حوالہ اور مصنف کا نام ضرور لکھیے۔ ◆ تحریر کسی مخصوص فرقے، طبقے یا ملکی قانون کے خلاف نہ ہو۔ ◆ طنزیہ اور مزاحیہ مضمون شائستہ ہو، کسی کا مذاق اڑانے یا دل دکھانے والا نہ ہو۔ ◆ نونہال بلا عنوان یا قسط وار کہانی نہ بھیجیں۔ ◆ تحریر کی نقل اپنے پاس رکھیے تاکہ چھپنے کے بعد ملا کر دیکھ سکیں کہ تحریر میں کیا کیا تبدیلی کی گئی ہے۔ ◆ کتاب وغیرہ منگوانے کے لیے شعبہ مطبوعات ہمدرد کو علاحدہ خط لکھیں ◆ باقی چھوٹی چھوٹی تحریریں ناقابل اشاعت ہونے پر ضائع کر دی جاتی ہیں۔ ◆ تحریر، تصویر وغیرہ ارسال کرنے کا طریقہ وہی ہے جو خط بھیجنے کا ہے۔ ◆ کوپن اور کسی بھی تحریر پر صرف ایک نام لکھیے اور ہر کوپن الگ کاغذ پر چپکائیں۔ ◆ اچھی تحریر لکھنے کے لیے زیادہ مطالعہ اور مسلسل محنت بہت ضروری ہے۔ (ادارہ)

روح کا انتقام

خواجہ حسن نظامیؒ

یہ ۱۹۰۴ء کا ذکر ہے۔ ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ (دہلی) کے قریب کوئی کنواں نہیں، جب کہ باؤلی کا پانی کھاری ہے۔ اگر آپ کہیں تو درگاہ کے مشرقی دروازے پر کنواں بنوادوں۔

میں نے جواب دیا: ''ہاں صاحب! یہاں میٹھے پانی کی بہت تکلیف ہے، شاید کنویں کا پانی میٹھا نکل آئے۔''

ان صاحب نے کہا: ''مگر یہاں قبریں بہت زیادہ ہیں۔ کنواں کھودا گیا تو قبروں کو توڑنا پڑے گا اور ان کی بے حُرمتی ہوگی۔''

میں نے کہا: ''قبروں کی ہڈیاں دوسری جگہ احتیاط سے دفن کر دینا، کیوں کہ پانی کی ضرورت بہت زیادہ ہے۔''

یہ کہہ کر میں تو الٰہ آباد چلا گیا اور ان صاحب نے کنواں کھدوانا شروع کیا۔ قبروں سے ہڈیاں نکلتی تھیں تو دوسری جگہ ادب و احترام سے دفن کرا دیتے۔ یہاں تک کہ جب پانی کے قریب پہنچے تو وہاں کسی آدمی کا پورا ڈھانچا نظر آیا۔ سب کو حیرت ہوئی کہ بالائی قبروں کی ہڈیاں ٹوٹی ہوئی تھیں، مگر اتنی گہری جگہ میں یہ پورے آدمی کا ڈھانچا کیوں کر باقی رہا اور اتنی گہری قبر کس نے بنائی؟

بہر حال اس ڈھانچے کو دیکھ کر مزدور ڈر گئے۔ انھوں نے ان ہڈیوں کو ہاتھ لگانے سے انکار کیا تو کنواں کھدوانے والے صاحب خود رسے میں ٹوکرا باندھ کنوئیں میں اُترے۔

انھوں نے کدال ہاتھ میں لے ڈھانچے کے گھٹنے پر ماری، تاکہ ہڈیاں توڑ کر اوپر لے جائیں اور کسی جگہ دفن کر دیں۔ کدال کے مارتے ہی ان کا گورا رنگ کالا ہو گیا اور وہ دیوانوں کی سی باتیں کرنے لگے۔ جو مزدور ان کے ساتھ کنوئیں میں گیا تھا، اس نے ان کو ٹوکرے میں باندھ دیا اور بہت مشکل سے ان کو باہر لایا۔ کنوئیں کے پاس بہت سی خلقت جمع ہو گئی۔ سب حیران تھے کہ ابھی تو ان کا رنگ گورا تھا، اب یہ ایسے کالے کیوں کر ہو گئے۔ وہ بار بار کہتے تھے: ''میرے بھانجے کا پاؤں توڑ ڈالا، میرے بھانجے کا پاؤں توڑ ڈالا۔''

آخر انھیں ان کے گھر میں لے گئے۔ بڑے بڑے عامل بلائے گئے، مگر ان کو کوئی اچھا نہ کر سکا۔ آخر تیسرے دن اس کنوئیں کو بند کر دیا گیا۔ سب مٹی اور ہڈیاں اس کنوئیں کے اندر بھر دی گئیں اور کنواں زمین کے برابر ہو گیا۔ تب ان صاحب کا رنگ بھی ٹھیک ہو گیا اور دماغ کی خرابی بھی درست ہو گئی۔

میں الٰہ آباد کے سفر سے واپس آیا تو میری بیوی نے سارا قصہ مجھے سنایا۔ اس وقت میں اپنے گھر میں پلنگ پر چت لیٹا تھا۔ لیمپ سرہانے رکھا تھا اور میں لیٹا ہوا اخبار پڑھ رہا تھا۔ پلنگ کے نیچے دری پر میری بیوی اور ان کی والدہ بیٹھی چھالیا کتر رہی تھیں اور مجھے قصہ سنا رہی تھیں۔

میں پلنگ پر اُٹھ کر بیٹھ گیا اور میں نے اپنی بیوی سے پوچھا: ''تم سمجھیں وہ کالے کیوں ہوئے اور دیوانے کیوں ہو گئے؟''

بیوی نے کہا: ''کسی بزرگ کا مزار تھا۔ انھوں نے بے ادبی کی، مزار والوں کی روح نے ان کو قبر توڑنے کی سزا دی اور وہ کالے اور دیوانے ہو گئے، مگر جب ان کے

وارثوں نے قبر بند کرا دی اور کنواں بھی بند کرا دیا تو روح نے تین دن بعد ان کی خطا معاف کر دی اور وہ اچھے ہو گئے۔''

میں نے بیوی سے کہا: ''نہیں، یہ بات نہیں، بلکہ بات یہ ہے کہ مُردے کی ہڈیاں صدیوں سے مٹی کے اندر دبی ہوئی تھیں اور ہڈیوں کے اندر فاسفورس ہوتا ہے۔ فاسفورس زہریلا ہو گیا تھا۔ جب انھوں نے ڈھانچے پر کدال ماری تو ہڈی ٹوٹ گئی اور اس میں سے فاسفورس اُڑا جو ان کی ناک میں سانس کے ساتھ گھس گیا اور بدن کے خون میں جذب ہو گیا۔ فاسفورس نے اپنے زہر سے خون کو کالا کر دیا۔ خون کالا ہوا تو چہرہ بھی کالا ہو گیا اور وہ دیوانے بھی اسی وجہ سے ہوئے کہ ان کے دماغ پر زہریلے فاسفورس نے بُرا اثر کیا۔ اگر روح کچھ کر سکتی ہے تو مجھے سزا دیتی، کیوں کہ میں نے ان کو کنواں کھودنے اور قبریں توڑنے کا حکم دیا تھا۔ اگر روح میں کچھ طاقت ہے تو آئے، مجھے اپنی طاقت دکھائے اور مجھے سزا دے۔ تم عورتیں کم زور عقیدے کی ہوتی ہو، میں روحوں کے ایسے اثر کو نہیں مانتا۔''

بیوی نے جواب دیا: ''توبہ کرو، کیسی باتیں کرتے ہو۔''

میں نے کہا: ''کم از کم میری عقل تمھاری طرح بودی نہیں ہے۔''

بیوی نے کہا: ''جانے دو، یہ باتیں چھوڑو، اپنا اخبار پڑھو۔ میں ایسی منکرانہ باتیں سننا نہیں چاہتی۔''

میں ہنسا اور اخبار پڑھنے لگا۔ ان باتوں کو پانچ منٹ بھی نہیں ہوئے تھے اور میں چت لیٹا تھا کہ کسی نے میرے پاؤں کے تلووں میں جیسے بجلی کا تار لگا دیا۔ بجلی سن سن کرتی میرے تمام بدن میں پھیل گئی اور مجھے ایسی تکلیف ہوئی جس کو الفاظ میں ادا کرنا مشکل

ہے۔ میری رگ رگ میں چھریاں چلتی معلوم ہوتی تھیں۔ میں بے تاب ہو کر چیخنے لگا۔

میں نے اپنی چیخوں کی آواز سنی، مگر میری بیوی اور ساس آپس میں باتیں کرتی اور چھالیا کُترتی رہیں۔ انھوں نے میری چیخنے پر توجہ نہ کی۔ تب میں نے بیوی کا نام لے کر چیخنا شروع کیا کہ حبیب بانو! ارے بی! مجھے دیکھو میرا کیا حال ہو گیا۔ مجھے قبر والی روح نے دبا لیا۔ میں توبہ کرتا ہوں، پھر کبھی کسی بزرگ کی بے ادبی نہ کروں گا، مگر میری بیوی نے پھر بھی میری طرف توجہ نہیں دی اور اپنی ماں سے باتیں کرتی رہی۔

میں نے اسی حال میں خیال کیا کہ شاید میرا دل دب گیا ہے اور اس کی وجہ سے یہ تکلیف ہے۔ اس لیے آہستہ سے دائیں رُخ کروٹ لی، مگر پھر بھی تکلیف میں کمی نہ ہوئی۔ تب میں نے توبہ کرنی شروع کی اور عہد کیا کہ کبھی روحوں کی بے ادبی نہ کروں گا۔ یہ کہتے ہی وہ کیفیت جو سر سے پاؤں تک چھائی ہوئی تھی، پیروں کی طرف جاتی معلوم ہوئی، یہاں تک کہ تھوڑی دیر میں بالکل جاتی رہی۔ میں نے پھر اپنی بیوی کو پکارا تو انھوں نے فوراً جواب دیا۔

میں نے ان سے کہا: ''ابھی پانچ منٹ تک میں سخت تکلیف میں مبتلا رہا اور تم کو آوازیں دیں، مگر تم نہ بولیں۔''

بیوی نے کہا: ''تم تو سو گئے تھے اور اخبار تمھارے ہاتھ سے گر پڑا تھا۔''

میں نے کہا: ''کیا تم دونوں فلاں فلاں باتیں نہ کر رہی تھیں؟''

انھوں نے کہا: ''ہاں، یہ باتیں ہم نے کی تھیں۔''

میں نے کہا: ''اگر میں سو گیا تھا تو میں نے تمھاری یہ باتیں کیوں کر سنیں؟''

اب اس سوال کا جواب میری بیوی نہ دے سکیں۔ شاید سائنس داں اس پر کچھ روشنی ڈال سکیں۔ ☆

آزادی

حکیم خاں حکیم

کیا لہو سے جنھوں نے سنگھارِ آزادی
انھی کے دم سے ہے قائم، بہارِ آزادی

جنھوں نے سر کو جھکایا نہیں، کٹایا ہے
ہیں جرأتوں کے امیں، اعتبارِ آزادی

مرے وطن کی ہے بنیاد میں لہو جن کا
وہ دے گئے ہیں ہمیں افتخارِ آزادی

جگر کا خون بہاتے ہیں وہ وطن کے لیے
عزیز ہوتا ہے جن کو وقارِ آزادی

گزر رہی ہے اسیری میں زندگی اُن کی
نہیں ہے جن کو ذرا بھی شعارِ آزادی

کبھی تو پوچھو تم ان سے کہ ہے غلامی کیا؟
وہ لوگ ہیں جو ابھی بے قرارِ آزادی

حکیم چھیننا پڑتا ہے دوسروں سے حق
کسی کو ملتا نہیں اقتدارِ آزادی

انوکھی دریافت

علی حیدر

پروفیسر محمد وقار جابر ملک کے مشہور اور مایۂ ناز ماہرِ ارضیات تھے۔ پورا ملک ان کی تلاش کی ہوئی چیزوں کی وجہ سے مشہور تھا۔ کھدائی کے دوران انھوں نے بہت سی چیزیں دریافت کی تھیں۔ انھوں نے اپنے کارکنوں کے ساتھ ملک کے دور دراز علاقے ''جاڑ جا'' میں کھدائی کا کام شروع کیا تھا۔ کچھ دن تو انھیں کچھ نہ ملا۔ پھر اچانک ایک دن ان کے ایک ساتھی نے گول سی ڈبا نما کوئی چیز ان کے سامنے لا کر رکھ دی۔ بظاہر تو یہ پتھر کا لگ رہا تھا، لیکن لوہے جیسی کسی دھات کا بنا ہوا تھا۔

اس کارکن نے بتایا: ''سر! ہم نے مشینوں سے چیک کیا ہے۔ اس میں کچھ لوہے کی آمیزش معلوم ہوتی ہے۔ اگر یہ یہاں کے قدیم باشندوں کی کوئی چیز ہوئی تو یہ ہماری اب تک کی سب سے بڑی دریافت ہوگی۔''

''اچھا! پھر تو بہت ہی زیادہ اچھا ہے۔''

''اسے جلدی سے صاف کرو اور ہاں، ذرا احتیاط سے پھر فوراً مجھے دکھاؤ۔'' وقار جابر گول سے ڈبے کو اُلٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے بولے۔

''ٹھیک ہے سر!'' اس نے کہا اور ڈبا اُٹھا کر واپس چلا گیا۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد اس نے ایک عجیب سا آلہ ان کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ انھوں نے دیکھا یہ ایک لوہے کا ہلکا سا گول ڈبا تھا۔ اس کے پیندے پر ایک چھوٹا سا سوراخ اور ایک تار اس میں سے ہوتی ہوئی ڈبے کے اندر جا رہی تھی۔ یہ ایک عجیب آلہ یا ہتھیار تھا۔ اس کے اوپر ایک عجیب

زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا، لیکن کوشش کے باوجود کوئی اسے پڑھ نہ سکا۔

یہ ایک شان دار دریافت تھی۔

اخبار ''جب تک'' میں سب سے پہلے اس عجیب و غریب دریافت کی خبر شائع ہوئی۔ پھر تو ہر اخبار میں یہ خبر نمایاں طور پر چھپنے لگی۔ حکومت نے اس آلے کو اپنی حفاظت میں لے لیا اور اس کام پر وقار جابر کو ایک بڑے انعام و اکرام سے نوازا، لیکن اب تک اس آلے پر موجود تحریر زبانوں کا علم جاننے والے ملک بھر کے ماہرین بھی نہ پڑھ سکے۔

اگر یہ آلہ جاڑ جا کے قدیم لوگوں کی کوئی چیز ہوئی تو یہ جلد ہی پوری دنیا میں مشہور ہو جائے گی، کیوں کہ جاڑ جا کے قدیم باشندے علم و حکمت کی وجہ سے دنیا میں مشہور تھے۔

اب یہ نسل ختم ہو چکی تھی، لیکن ان کی پرانی چیزوں کے آثار پائے جاتے تھے، جو پوری دنیا میں ہر چیز سے قیمتی سمجھے جاتے تھے۔ اب آلے پر موجود وہ تحریر پڑھنے کے لیے دنیا کی قدیم زبانوں کا علم جاننے والے سب سے بڑے ماہر ''جانسن پڈبیل'' کو سمندر پار سے یہ تحریر پڑھنے کے لیے بلایا گیا تھا۔

اس تقریب میں وقار جابر صاحب کے دریافت کردہ آلے پر موجود تحریر کو پڑھا جانا تھا۔ اتنی بڑی تقریب شاید ہی پہلے کبھی ملک میں ہوئی ہو۔ ہر طرف روشنی ہی روشنی تھی۔ پورے ملک سے لوگ اس تقریب میں شرکت کے لیے اُمڈ آئے تھے۔ یہ تقریب حکومت کی طرف سے تھی۔ ایک طرف بہت بڑا اسٹیج تھا۔

سب سے پہلے ملک کے ایک بڑے صوبے کے گورنر نے آکر پروفیسر وقار جابر کی تعریف میں زمین و آسمان ایک کر دیے۔ پھر کئی اور دانش وروں کی علم و دانش سے بھری تقریروں کے بعد ''جانسن پڈبیل'' کو اسٹیج پر آنے کی دعوت دی گئی۔ وہ اسٹیج پر آئے، پہلے تو انھوں نے اپنے کام کے بارے میں کچھ باتیں کیں۔ پھر ایک طرف رکھے ہوئے آلے کو اُٹھا کر اُلٹ پلٹ کر دیکھا۔ کچھ دیر غور کرنے کے بعد اس پر موجود تحریر کو پڑھنا شروع کیا۔ جانسن پڈبیل نے تحریر پڑھتے ہوئے بتایا: ''اس پر لکھا ہے کہ اس خالی ڈبے کو کچرے کی بالٹی میں پھینکیں۔ خود کو اور اپنے ملک کو صاف ستھرا رکھیں۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ اب سے ہزاروں سال پہلے بھی یہاں مہذب قومیں آباد تھیں، جنھیں اپنے وطن سے پیار تھا۔''

☆☆☆

☆ مسکراتی لکیریں ☆

''ارے، تم دونوں آپس میں سر کیوں ٹکرا رہے ہو؟''

''آپ ہی نے تو کہا تھا، امتحان میں پاس ہونے کے لیے دماغ لڑانا ضروری ہے۔''

لطیفہ : عالیہ ذوالفقار، کراچی

چاندی کی مچھلی

مسعود احمد برکاتی

زرینہ اور شرلی سمندر کے کنارے اپنی چھٹیوں کے دن گزار رہی تھیں۔ وہیں ان کی دوستی ایک اور لڑکی سے ہوگئی۔ اس کا نام دینا تھا اور وہ قریب ہی ایک بورڈنگ ہاؤس میں رہتی تھی۔ ایک روز ان لڑکیوں نے یہ پروگرام بنایا کہ تینوں شہر سے باہر سمندر کی ایک خوش نما کھاڑی پر جا کر پکنک منائیں۔ زرینہ اور شرلی مقررہ وقت پر اس کھاڑی پر پہنچ گئیں اور دینا کا انتظار کرنے لگیں۔ زرینہ بولی: ''اب تک تو دینا کو آ جانا چاہیے تھا۔''

شرلی نے کہا: ''ہاں آتی ہی ہوگی۔ آؤ تب تک قریب جا کر پانی کی لہروں سے لطف اُٹھائیں۔''

دونوں لڑکیاں سمندر کی جانب چلنے ہی والی تھیں کہ ایک بڑی سی گیند کہیں سے آگری۔ گیند پر چوڑی چوڑی رنگین پٹیاں بنی ہوئی تھیں۔ سمندر کے ساحل پر لوگ اکثر اس طرح کی گیند سے کھیلتے ہیں، اس لیے اسے بیچ بال کہا جاتا ہے۔

''ارے یہ گیند کس نے پھینک دی۔'' شرلی نے حیران ہوکر پوچھا۔

زرینہ نے دوڑ کر گیند اُٹھالی۔ اب جو اس نے گیند اُٹھائی تو دیکھا کہ اس میں ایک تصویر لگی ہوئی ہے۔ زرینہ نے تصویر کو گیند سے علاحدہ کرلیا۔ تصویر اسی لڑکی دینا کی تھی۔ تصویر کے ایک کونے پر چاندی کی ایک چھوٹی سی مچھلی اٹکی ہوئی تھی اور تصویر کے نیچے لکھا ہوا تھا: ''مہربانی کر کے اس مچھلی کر مرمیڈ گفٹ شاپ پہنچا دو، لیکن اس لڑکی سے ہوشیار رہنا جو دھاری دار ہیٹ پہنے ہوئے ہے۔''

دونوں لڑکیاں حیران ہو کر سوچنے لگیں کہ آخر یہ سب کیا ہے۔ عین اسی وقت انھوں نے دیکھا کہ ایک کشتی سے کوئی لڑکی اُتر رہی ہے۔

''دیکھو زرینہ! وہ کون آ رہا ہے۔'' شرلی نے کہا۔

زرینہ نے آنے والی لڑکی کو دیکھ کر کہا: ''ارے، یہ تو دھاری دار ہیٹ پہنے ہوئے ہے۔ دینا نے اسی لڑکی سے ہوشیار رہنے کی تاکید کی ہے۔''

آنے والی لڑکی نے دور ہی سے انھیں پکارا: ''ٹھیرو، وہ گیند مجھے دے دو۔ وہ تمھاری نہیں ہے۔''

شرلی نے زرینہ سے پوچھا: ''بتاؤ، اب کیا کریں۔''

زرینہ نے جلدی سے مچھلی اور تصویر کو گیند سے الگ کر لیا اور گیند آنے والی لڑکی کی طرف پھینک دی۔ اِدھر وہ لڑکی گیند اُٹھانے کو جھکی اور اُدھر یہ دونوں وہاں سے تیزی سے چل پڑیں۔ ابھی وہ تھوڑی ہی دور گئی تھیں کہ دیکھا تو سامنے سے ایک لڑکا راستہ روکنے کے لیے چلا آ رہا ہے۔ دوسری طرف سے وہ لڑکی بھی ان کی طرف بھاگتی چلی آ رہی تھی۔ اس نے چیخ کر کہا: ''کلائیو! ان لڑکیوں کو جانے نہ دینا۔''

اب تو زرینہ اور شرلی بڑی گھبرائیں۔ زرینہ کو پہاڑی کا ایک کنارہ نظر آیا۔ اس نے شرلی سے کہا: ''آؤ اُدھر بھاگیں، شاید اُدھر سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ مل جائے۔''

یہ لڑکیاں اس طرف دوڑیں۔ پہاڑی کا یہ حصہ کچھ بلندی پر جا کر ختم ہو گیا تھا اور اس کے آگے ایک گہری کھائی تھی۔ کھائی کے دوسرے جانب پھر پہاڑی سلسلہ چلا گیا تھا، مگر جب یہ لڑکیاں اس کھائی تک پہنچ گئیں تو شرلی بولی: ''یہ کھائی تو بہت چوڑی ہے۔

اس کو کیسے پار کریں۔"

اتنے میں وہ لڑکا بالکل ان کے قریب آ گیا۔ زرینہ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، فوراً چھلانگ لگا دی اور کھائی پار کر کے وہ پہاڑی کے دوسرے حصے پر پہنچ گئی۔ جب شرلی نے اس پر سے چھلانگ لگائی تو اس کا ایک پیر پہاڑی کے دوسرے سرے پر آ چکا تھا، مگر دوسرا ابھی ہوا میں معلق تھا کہ زرینہ نے فوراً شرلی کا ہاتھ پکڑ لیا اور زور سے اسے اپنی جانب گھسیٹ لیا۔

پھر دونوں لڑکیاں وہاں سے بھاگنے لگیں۔ پیچھے پیچھے وہ لڑکا شیطان کی طرح بھاگتا چلا آ رہا تھا۔ اب یہ لڑکیاں سڑک کے قریب پہنچ گئی تھیں۔ اتفاق سے ان ہی لڑکیوں کے اسکول کی بس اِدھر سے گزر رہی تھی۔ لڑکیاں دوڑ کر اس میں سوار ہو گئیں اور تعاقب کرنے والا لڑکا اپنا سا منھ لے کر رہ گیا۔

پندرہ منٹ بعد زرینہ اور شرلی شہر کے بازاروں میں وہ دکان تلاش کر رہی تھیں، جس کا پتا دیا گیا تھا۔ اتنے میں انھیں اسی دکان کا سائن بورڈ دکھائی دے گیا۔ شرلی بولی: "وہ دیکھو، لکھا ہے، مرمیڈ گفٹ شاپ، مگر دینا نے یہ کیوں لکھا ہے کہ یہ مچھلی اس دکان میں کام کرنے والی لڑکی کو دے دی جائے۔"

"چلو، ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔" جب یہ دکان کے اندر داخل ہوئیں تو وہاں انھیں ایک لڑکی ملی۔ اس نے پوچھا: "کہو، کیا لینا ہے۔"

زرینہ تصویر اور مچھلی دکھا کر بولی: "ہم لوگ یہ لائے ہیں، اسے دینا نے بھیجا ہے۔ اس نے یہ پرانے لائٹ ہاؤس سے گیند کے ساتھ پھینکا تھا۔"

یہ سنتے ہی اس لڑکی کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ وہ گھبرا کر بولی: "کیا کہا۔ دینا نے بھیجا ہے۔ تب تو وہ قید کر لی گئی ہو گی۔"

یہ سن کر زرینہ بوکھلا گئی۔ وہ بولی: "قید...... کیا تمھارا مطلب ہے اسے اغوا کر لیا گیا ہے۔"

"یہ تو میں نہیں جانتی۔ میرا نام ڈلسی ہے۔ دینا میری بہن ہے۔ ہمارا بھائی کسٹم کا افسر ہے۔ ہم دونوں بہنیں اپنے بھائی کی مدد کر رہی ہیں۔" اس لڑکی نے بتایا: "ساحل پر کچھ عجیب و غریب قسم کی روشنیاں دکھائی دے رہی ہیں۔ لہٰذا ہم لوگ اس کی تحقیقات کر رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اسمگلر ہیں اور انھوں نے دینا کو پکڑ لیا ہے۔"

یہ سن کر شرلی بولی: "تو پھر ہم لوگوں کو لائٹ ہاؤس پہنچنا چاہیے، جہاں سے یہ پیغام آیا ہے۔ ہمیں دینا کو چھڑانا چاہیے۔"

زرینہ نے کہا: "نہیں، نہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ اگر کسی کو یہ معلوم ہو گیا کہ دینا نے تم کو لائٹ ہاؤس سے کوئی اطلاع بھیجی ہے تو پھر وہ اسے وہاں سے کسی دوسری جگہ لے جائیں گے۔"

دینا کی بہن نے کہا: "مگر اس چاندی کی مچھلی سے شاید کچھ پتا چلے۔ آؤ دوسرے کمرے میں اسے اچھی طرح دیکھیں۔"

یہ تینوں ایک دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔ وہاں ڈلسی نے ایک شیشے کے ذریعے سے مچھلی کو دیکھا۔ پھر بولی: "اگر میرا شک صحیح ہے تو مچھلی پر کچھ نشانات بنے ہوئے ہوں گے۔ یہ چاندی کی مچھلی دراصل اس کڑے میں جڑی ہوئی تھی جو دینا اپنی کلائی میں پہنے ہوئے ہے۔" وہ مچھلی کو خوب الٹ پلٹ کر غور سے دیکھنے لگی، پھر فوراً بول اُٹھی:

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف
ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ
کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
ایڈ فری لنکس
ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر
ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1

پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

''ہاں یہ دیکھو۔''

شرلی نے پوچھا: ''کیا ہے؟''

مچھلی پر ایک نقشہ بنا ہوا ہے، جس میں ساحل کی مختلف کھاڑیاں دکھائی گئی تھیں۔ مچھلی کے منھ کے پاس جو کھاڑی دکھائی گئی تھی اس کا نام ''لائٹ ہاؤس کھاڑی'' اور پیٹ کے پاس ''اسٹار کھاڑی'' تھی۔ اسی طرح دم سے ذرا پہلے ''ڈالفن کھاڑی'' تھی۔

زرینہ بولی: ''تو پھر سارا بھید ان ہی تین کھاڑیوں میں ہوگا۔''

ڈلسی نے کہا: ''اب مجھے اپنے بھائی سے فوراً رابطہ کر کے اسے یہ سب بتا دینا چاہیے۔''

زرینہ بولی: ''اچھا تم رابطہ کرو اور ہم لوگ ساحل کی طرف جا رہے ہیں۔ اگر دینا کہیں نظر آ گئی تو اس کی مدد کریں گے۔''

ڈلسی نے کہا: ''دیکھو وہ لوگ بڑے خطرناک ہیں، بہت ہوشیار رہنا۔''

شرلی بولی: ''تم پریشان نہ ہو، ہم کوئی حماقت نہیں کریں گے۔''

شہر سے روانہ ہو کر یہ لڑکیاں پھر ساحلی چٹانوں پر گھومنے لگیں۔ پہلے یہ اسٹار کھاڑی پہنچیں۔ زرینہ بولی: ''یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے اور لائٹ ہاؤس کھاڑی پر بھی کسی بات کی اُمید نہیں، چلو ڈالفن کھاڑی چلتے ہیں۔ لہٰذا یہ دونوں بڑی احتیاط سے ڈالفن کھاڑی پہنچیں۔

شرلی نے کہا: ''ہم لوگوں کو چھپ کر کام کرنا چاہیے، اگر ان اسمگلروں کو ہماری موجودگی کا علم ہو گیا تو پھر ہماری خیر نہیں۔'' وہ دونوں پہاڑی کی چوٹی پر بیٹھ کر دور سے کھاڑی کو دیکھنے لگیں۔ چند لمحوں بعد انھوں نے دیکھا کہ وہی لڑکی اور وہی لڑکا ایک اور

آدمی کے ساتھ دور سامنے ایک غار کے پاس موجود ہیں اور وہیں پر دینا بھی ہے۔ شرلی بولی: ''وہ تینوں ایک کشتی پر کچھ لاد رہے ہیں اور دینا کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے ہیں، اب ہم کیا کریں۔''

زرینہ بولی: ''کرنا کیا چاہیے، دینا کو وہاں سے نکالنا ہے۔ میں ذرا ایک پیالی لے آؤں۔''

''پیالی؟'' شرلی نے حیران ہو کر پوچھا: ''پیالی سے کیا ہوگا۔''

زرینہ نے انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے اسے چپ کرایا۔ پھر وہ اپنے پکنک کے سامان میں سے ایک پیالی نکال لائی۔

یہ لڑکیاں جس جگہ بلندی پر بیٹھی تھیں، اس کے بالکل سامنے ہی وہ غار تھا۔ درمیان میں سمندر کا پانی۔ زرینہ نے بالکل کنارے پر کھڑے ہو کر پیالی کو بڑے زور سے چٹان پر کھینچ مارا۔ پیالی کے ٹوٹنے سے آواز پیدا ہوئی تو وہ لوگ اس آواز کی طرف متوجہ ہوئے۔ ایک آدمی نے پوچھا: ''کلائیو! تم نے سنا، یہ کیا تھا۔''

لڑکا بولا: ''کچھ اس طرف سے گرا ہے، آیئے ابا جان! چلیں دیکھیں کیا ہے۔''

اِدھر یہ لوگ آواز کا کھوج لگانے چلے اور اُدھر یہ دونوں لڑکیاں پہاڑی سے اُتر کر دینا کی طرف دوڑیں۔ جب یہ دینا کے پاس پہنچ گئیں تو وہ حیران ہو کر بولی: ''ارے زرینہ اور شرلی تم! میں تو سمجھی تھی کہ اب میں تم لوگوں کو کبھی نہ دیکھ سکوں گی۔ یہ لوگ تو مجھے فرانس لے جا رہے ہیں۔''

''لیکن دینا! آخر اس کا مطلب کیا ہے۔'' زرینہ نے پوچھا۔

دینا بولی: ''یہ لوگ اسمگلر ہیں۔ فرانس سے سامان لاتے ہیں اور ان کھاڑیوں کو انھوں نے اڈا بنا رکھا ہے۔ آج صبح میں نے دوربین لگا کر پرانے لائٹ ہاؤس سے انھیں دیکھا، مگر ان لوگوں نے مجھے دیکھ لیا۔ میرے پاس صرف اتنا وقت تھا کہ میں اپنی مچھلی پر ایک نقشہ بنا دوں اور اسے گیند میں باندھ دوں۔ پھر جب میں نے تم لوگوں کو دیکھا تو میں نے گیند کو کھڑکی میں سے تمھاری طرف پھینک دی۔''

ابھی دینا کی رسیاں کھلی ہی تھیں کہ شرلی بولی: ''ارے غضب ہو گیا، اسمگلر آ رہے ہیں۔'' واقعی سامنے سے اسمگلر باپ اپنے بیٹے اور بیٹی کے ساتھ چلا آ رہا تھا۔

شرلی بولی: ''اب ان سے بچنا محال ہے۔ یہ اتنے قریب آ گئے ہیں......''

زرینہ غار کے اندرونی حصہ کی طرف لپکتے ہوئے بولی: ''جلدی کرو، اس اندرونی کمرے میں دوڑ چلو اور دروازہ اندر سے بند کر لو۔''

تینوں لڑکیاں دوڑ کر اندرونی کمرے میں پہنچ گئیں اور سب نے زور لگا کر دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ باہر سے اسمگلروں نے آواز دی: ''بے وقوف لڑکیو! تم یہاں سے بچ کر نہیں جا سکو گی۔ دروازہ کھول دو، ورنہ ہم لوگ اسے توڑ دیں گے۔''

شرلی نے کہا: ''زرینہ یہ لوگ ٹھیک کہتے ہیں۔ باہر جانے کا صرف یہی ایک راستہ ہے اور اس پر یہ لوگ کھڑے ہیں۔ دوسری طرف سمندر ہے۔''

لڑکیاں ابھی کھڑی ہوئی تھی کہ دروازہ ہلنا شروع ہو گیا۔

شرلی بولی: ''ارے یہ لوگ کسی بڑے شہتیر سے دروازہ توڑ رہے ہیں۔ اب کیا ہو گا۔ ہم لوگ بہت بُری طرح پھنس گئے ہیں۔''

زرینہ بولی: ''نہیں، گھبراؤ نہیں، پانی کے نیچے سے باہر جانے کا راستہ ضرور ہو گا۔ میں اسے تلاش کرتی ہوں۔'' اتنا کہہ کر اس نے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔

عین اسی وقت دروازہ ٹوٹ گیا۔ اسمگلر کی بیٹی نے کہا: ''وہ دیکھو اس لڑکی نے چھلانگ لگا دی۔''

اسمگلر بولا: ''اس کے جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔''

ادھر زرینہ سانس روکے ہوئے پانی کے نیچے تیرتی ہوئی چلی جا رہی تھی۔ آخر وہ غار کے دہانے تک پہنچ گئی اور اس کے باہر نکل گئی۔ پھر کھلے سمندر میں اس نے اپنا سر پانی سے باہر نکالا اور سانس لی۔ اس کے بعد وہ تیرتی ہوئی کنارے تک پہنچ گئی۔ دور ایک کشتی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ سوچنے لگی کہ کاش میں اس کشتی والے کو اپنی طرف متوجہ کر سکتی۔

ادھر غار کے اندر اسمگلر نے ان دونوں لڑکیوں سے کہا: ''مجھے نہیں معلوم کہ تمھاری ساتھی کا کیا حشر ہوا۔ بہر حال ہم لوگوں کو فرانس جانا ہے ایک کشتی ہماری منتظر ہے۔''

اور واقعی ایک کشتی کنارے پر کھڑی ہوئی تھی۔ اسمگلر کی بیٹی اس پر سوار ہو چکی تھی۔ وہ دونوں لڑکیوں سے بولی: ''اور تم دونوں بھی ہمارے ساتھ فرانس چلو گی۔ ہم اس وقت تک تم کو قیدی بنا کر رکھیں گے، جب تک ہمارا سامان نہیں آ جاتا۔''

عین اسی وقت سامنے سے ایک اور کشتی آ گئی۔ دینا بولی: ''وہ دیکھو اس کشتی پر میری بہن ڈلسی اور میرے بھائی ہیں اور ان کے ساتھ کسٹم کے آدمی بھی ہیں۔ اب ہم لوگ محفوظ ہیں۔''

کسٹم کے آدمیوں نے کشتی سے اُتر کر ان تینوں اسمگلروں کو گرفتار کر لیا اور انھیں

ہتھکڑیاں پہنادیں۔ زرینہ نے بعد میں بتایا کہ اس نے کیا کام کیا تھا۔ جس وقت وہ سمندر میں سے نکل کر خشکی پر پہنچی تو اس نے دیکھا کہ ایک کشتی پر ڈلسی اور اس کا بھائی کسٹم کے آدمیوں کے ساتھ چلے آرہے ہیں۔ زرینہ نے ان کو بڑے زور سے پکارا اور ہاتھوں سے اشارہ بھی کیا۔ جب یہ لوگ آگئے تو زرینہ نے ان کو سب کچھ بتادیا۔ پھر یہ لوگ فوراً ڈالفن کھاڑی کی طرف روانہ ہوگئے۔ بعد میں پھر تینوں لڑکیوں نے اپنی پکنک شاندار طریقے سے منائی۔ دینا، ڈلسی اور اس کے بھائی نے زرینہ اور شرلی کا بہت بہت شکریہ ادا کیا، کیوں کہ ان کی وجہ سے یہ چالاک اسمگلر گرفتار کیے گئے تھے۔ ☆

بوتل کا جن

انور فرہاد

پپو میاں ساحلِ سمندر پر کھیل رہے تھے۔ ان کے بھائی بہن، امی، ابو بھی یہاں آئے ہوئے تھے۔ سب اپنی اپنی تفریح میں مگن تھے۔ پپو میاں پتھر اُٹھا اُٹھا کر انھیں بولنگ کے انداز میں پھینک رہے تھے۔ کھیلتے کھیلتے وہ اپنے گھر والوں سے خاصے دور چلے گئے۔ نہ ان کو اس بات کا دھیان رہا، نہ ان کے بڑوں کو اس بات کا احساس ہوا کہ وہ ان سے بہت دور تک چلے گئے ہیں۔ اچانک پانی کا ایک بڑا ریلا آیا اور خشک ساحلی حصوں کو بھگوتا ہوا پپو میاں کے قریب تک پہنچ گیا۔ ریلا جس تیزی سے آیا تھا، اسی تیزی کے ساتھ لوٹ گیا۔ پانی تو واپس چلا گیا، مگر اس کے ساتھ بہ کر آنے والی بہت سی چیزیں ساحل پر ہی رہ گئیں۔ ان میں زیادہ تر رنگ برنگی سیپیاں تھیں۔ کچھ ڈبے، کچھ بوتلیں تھیں، جنھیں ساحل پر تفریح کے لیے آنے والے اکثر لوگ استعمال کے بعد سمندر میں پھینک دیتے ہیں۔

اچانک ان کی نظر ایک ایسی بوتل پر پڑی جو دیگر بوتلوں سے مختلف تھی۔ صاف لگ رہا تھا کہ یہ ان بوتلوں میں سے نہیں ہے، جن کا مشروب استعمال کر کے انھیں سمندر سپرد کر دیا جاتا ہے۔ انھوں نے لپک کر اس بوتل کو اُٹھالیا اور اِدھر اُدھر سے اسے گھما پھرا کر دیکھنے لگے۔ غور سے دیکھنے پر انھیں اندازہ ہوا کہ اس پر ایک کارک سا لگا ہوا ہے۔ اسی وقت انھیں ایک آواز سنائی دی۔ بہت دھیمی جیسے کہیں بہت دور سے آرہی ہو: ''خبردار! بوتل کا منھ نہ کھولنا۔'' انھوں نے اپنے اردگرد اور پھر دور تک نگاہ دوڑائی کہ یہ کون بول رہا ہے، مگر انھیں کوئی نظر نہیں آیا، جب کہ آواز مسلسل سنائی دے رہی تھی: ''خبردار! بوتل کا منھ نہ کھولنا۔''

''عجیب تماشا ہے۔ کوئی موجود نہیں، مگر آواز آرہی ہے۔'' انھوں نے آہستہ سے کہا۔

پھر اچانک بے خیالی میں بوتل کے منھ پر لگا کارک کھل گیا۔ جس کا احساس انھیں اس

وقت ہوا جب بوتل کے اندر سے دھواں نکلنے لگا۔ انھوں نے گھبرا کر بوتل ہاتھ سے چھوڑ دی۔

''اوہ! اس کے اندر تو کوئی گیس بھری ہوئی تھی۔'' ان کے منھ سے بے ساختہ نکلا: ''اسی لیے کوئی منع کر رہا تھا کہ بوتل نہ کھولنا۔''

''نہیں میرے آقا! یہ گیس نہیں، یہ دھواں ہے۔ میرے وجود کا ایک روپ ہے۔''

پپو میاں نے گھبرا کر دھوئیں کی طرف دیکھا، جو بوتل سے نکل کر آسمان کی طرف دور تک چلا گیا تھا، پھر دیکھتے ہی دیکھتے دھواں غائب ہو گیا تھا اور اس کی جگہ ایک جن کھڑا نظر آیا۔

''تت...... تم کون ہو؟'' انھوں نے ڈرتے ہوئے پوچھا۔

''میرے آقا! میں اس بوتل کا جن ہوں۔''

''جن...... جن! اچھا اچھا، میں نے تمھیں شاید پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ ہاں، ہاں یاد آیا۔ میں نے تمھاری فلم دیکھی تھی، جب تم شہزادی کا پورا محل ایک ہاتھ میں اُٹھا کر ہوا میں اُڑے جا رہے تھے اور پھر تم نے الٰہ دین کے محل کے پاس ہی شہزادی کا محل رکھ دیا تھا۔'' اب پپو میاں کا خوف بہت حد تک دور ہو چکا تھا۔

''میرے آقا! وہ جن میں نہیں تھا۔ وہ تو الٰہ دین کے جادوئی چراغ کا جن تھا۔ میں تو بوتل کا جن ہوں۔ یہ بوتل جو آپ کے پاس نیچے پڑی ہوئی ہے۔''

''چلو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم جادوئی چراغ کے جن نہیں ہو، بوتل کے جن ہو، جن تو ہو۔ اگر جن ہو تو مجھے اپنی پیٹھ پر سوار کر کے اس شہر کی سیر کرا دو۔ بڑا مزہ آئے گا، جب لوگ مجھے تمھاری پیٹھ پر سوار ہوا میں اُڑتا ہوا دیکھیں گے۔''

''مجھے معاف کیجیے میرے آقا! میں آپ کی یہ خواہش پوری نہیں کر سکوں گا۔''

''تم تو عجیب جن ہو کہ مجھ جیسے ایک چھوٹے سے لڑکے کو اپنی پیٹھ پر سوار کر کے اُڑنے سے انکار کر رہے ہو۔ ایک الٰہ دین کا جن تھا جو شہزادی کے پورے محل کو ایک ہاتھ میں اُٹھا کر اُڑتا رہا۔''

''میرے ننھے منے آقا! آپ بھول رہے ہیں کہ یہ الٰہ دین کا زمانہ نہیں۔ الٰہ دین کے زمانے میں نہ ریڈار تھا، نہ اینٹی ایئر کرافٹ گن، نہ جیٹ طیارے تھے، اس لیے الٰہ دین کے جادوئی چراغ کا جن بغداد کی فضاؤں میں اُڑتا پھرتا تھا۔ اسے نیچے والے لوگ بس حیرت سے تکتے رہتے تھے۔ اب یہ سب کچھ ممکن نہیں، کیوں اپنے آپ کو اور مجھے مروانا چاہتے ہیں؟''

پپو میاں سوچ میں پڑ گئے کہ یہ جن کیسی باتیں کر رہا ہے، پھر جن سے بولے: ''اے بوتل والے جن! تمھیں یہ باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟''

''کون سی باتیں؟''

''یہی ریڈار، اینٹی ایئر کرافٹ گن اور جیٹ طیاروں کی۔''

''اپنے تجربے سے۔ قصہ اب سے کچھ پہلے کا ہے۔ جس طرح سمندری لہروں نے میری بوتل تمھارے قدموں میں لا کر ڈال دی تھی، اسی طرح سمندری پانی نے ایک بار کسی اور ساحل پر مجھے پھینک دیا تھا۔ وہاں بھی تمھاری طرح ایک لڑکے نے بوتل کا منھ کھول کر مجھے آزاد کرا دیا تھا اور تمھاری طرح ضد کرنے لگا تھا کہ مجھے اپنی پیٹھ پر سوار کر کے شہر کی سیر کرا دو۔ میں نے اسے اپنی پیٹھ پر سوار کیا اور شہر کی فضاؤں میں اڑنے لگا، مگر خدا کی پناہ! دیکھتے ہی دیکھتے ایک طوفان کھڑا ہو گیا۔ شہر کے ریڈار نے فوراً خبر کر دی کہ کوئی شے شہر کی فضاؤں میں اُڑ رہی ہے۔ نتیجے میں مجھ پر فائر کیے جانے لگے، پھر جیٹ طیاروں نے اوپر آ کر مجھے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ نیچے سے برابر فائرنگ کی جا رہی تھی۔ میں نے بڑی مشکلوں سے ایک طیارے کے اوپر چڑھ کر اپنی اور اپنے ننھے آقا کی جان بچائی۔ نیچے سے برابر اعلان ہو رہا تھا کہ تم کون ہو؟ کسی سیارے کی مخلوق ہو، یا جو کوئی بھی ہو، اپنے آپ کو ہمارے قبضے میں دے دو۔ جس جہاز پر میں سوار تھا، نیچے اُترا تو دھواں بن کر میں نے ان کی آنکھوں میں دھول جھونکی اور اپنے ننھے آقا کو لے کر ساحلِ سمندر پہنچا اور اس سے کہا کہ مجھے بوتل میں بند کر کے فوراً سمندر میں پھینک دو۔''

جن کی زبانی یہ واقعہ سن کر پپو میاں بولے: ''اوہ ہاں! تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ یہاں بھی ایسا ہی خطرہ ہو سکتا ہے، خیر جانے دو۔ فضائی سیر کے پروگرام کو چھوڑو۔ چلو ایسا کرو کہ چپکے سے یہاں کے کسی باربی کیو سے گرما گرم کباب پراٹھے لے آؤ۔ دونوں مل کر کھائیں گے۔ تم تو اس بوتل میں بند جانے کب سے بھوکے پیاسے ہو گے۔''

''میرے آقا! آپ مجھے چوری کرنے کو کہہ رہے ہیں۔ یہ تو میں ہرگز نہیں کروں گا۔ یہ قانونی اور اخلاقی طور پر بہت بڑا جرم ہے۔ گناہ بھی ہے۔ میں نے ایک بار چوری کی تھی، جس کے جرم میں مجھے اس بوتل میں بند کر کے سمندر میں پھینک دیا گیا تھا، جس کے بعد میں نے قسم کھائی تھی کہ پھر کبھی چوری نہیں کروں گا۔'' یہ کہتے ہوئے جن نے اپنی لنگوٹ سے کوئی چیز نکال کر پپو میاں کو دی: ''یہ لو، تم اس سے کباب پراٹھا خرید کر کھا لو۔''

''یہ کیا ہے؟''

''یہ اشرفی ہے۔ پرانے زمانے کا سکہ ہے۔''

پپو میاں نے اسے اُلٹ پلٹ کر دیکھا۔ اس پر ٹیڑھی لکیروں سے کچھ لکھا ہوا بھی تھا۔ انھوں نے جن کو اشرفی لوٹاتے ہوئے کہا: ''اپنا یہ سکہ تم اپنے پاس ہی رکھو۔ یہاں تو لوہے کا یا کاغذ کا سکہ چلتا ہے۔ یہاں کوئی دکان دار اسے لے کر سودا نہیں دے گا۔'' پھر ذرا دیر چپ رہ کر اُداس لہجے میں بولے: ''میں تو دراصل تمھاری کارکردگی آزمانا چاہتا تھا، تاکہ تمھارے ذریعے سے میں بھی الٰہ دین کی طرح بڑا آدمی بن جاؤں۔''

''میرے بھولے بھالے آقا! اب کسی آدمی کو بڑا آدمی بننے کے لیے کسی جن، بھوت یا جادوئی چراغ کی ضرورت نہیں۔ آج کا انسان، جن بھوتوں اور جادوئی طاقتوں سے کہیں زیادہ طاقت ور ہے۔ فضاؤں میں اُڑتا پھرتا ہے، سمندر کی تہ میں سفر کرتا ہے۔ سیکڑوں، ہزاروں میل دور کے لوگوں سے نہ صرف باتیں کرتا ہے، بلکہ انھیں دیکھتا بھی ہے، جیسے آمنے سامنے بیٹھ کر

باتیں کر رہا ہو۔ چاند، ستاروں کے راز بھی اب اس سے چھپے ہوئے نہیں رہے۔ میرے آقا! دوسروں کا سہارا لینے والے لوگ کبھی بڑے آدمی نہیں بن سکتے۔''

''ہاں، تم ٹھیک کہہ رہے ہو، الٰہ دین کے چراغ پر جب جادوگر نے دھوکے سے قبضہ کر لیا تو الٰہ دین کی ساری شان و شوکت، سارا بڑا پن ختم ہو گیا۔''

''تم اگر بڑے آدمی بننا چاہتے ہو میرے معصوم آقا! تو اپنی کوششوں سے، اپنی تدبیر اور حکمت سے بڑا آدمی بنو۔''

''تو چلو، یہ کوشش، یہ تدبیر، یہ حکمت عملی کیا ہونی چاہیے، تم ہی بتا دو؟''

''پڑھو لکھو، خوب محنت سے، جی لگا کر...... یہ سوچ کر کہ یہ علم ہی تمھیں بڑا آدمی بنائے گا۔ آج کا انسان اگر جنوں، دیوؤں اور پریوں سے زیادہ طاقت ور ہے، پوری دنیا پر راج کر رہا ہے، تو اپنے علم و دانش کی وجہ ہی سے۔ یہ ایسی طاقت ہے، جسے کوئی جادوگر چھین نہیں سکتا۔ کسی بڑے کو چھوٹا نہیں بنا سکتا۔''

''ٹھیک ہے۔'' پپو میاں نے فیصلہ کن انداز میں کہا: ''بڑا آدمی بننے کے لیے میں تمھارے مشورے پر ضرور عمل کروں گا۔''

''شاباش! بہت خوب۔'' بوتل کے جن نے خوش ہو کر کہا: ''اب میرا آخری مشورہ یہ ہے کہ میں دھواں بن کر بوتل میں جا رہا ہوں، آپ اچھی طرح اس کا منھ بند کر کے اسے سمندر میں پھینک دیں، میری تھوڑی قید باقی ہے۔''

اور اس کے ساتھ ہی جن دیکھتے ہی دیکھتے دھویں کی صورت میں بوتل میں سما گیا۔ پپو میاں نے خوب اچھی طرح کارک سے اس کا منھ بند کیا، اور کسی فاسٹ بولر کی طرح دور سے دوڑتے ہوئے پانی تک گئے اور بوتل کو بہت فاصلے پر لہروں کے سپرد کر دیا۔

☆☆☆

بیت بازی

دلوں میں روشنی پھیلے چراغِ عشقِ احمدؐ کی
محمد مصطفیٰؐ کے نور سے معمور گھر گھر ہو
شاعر: روپ کشور نامی سہارنپوری   پسند: اُمیمہ ریحان، نارتھ کراچی

کانٹوں کو مت نکالو چمن سے کہ باغباں!
یہ بھی گلوں کے ساتھ پلے ہیں بہار میں
شاعر: بہادر شاہ ظفر   پسند: کومل فاطمہ اللہ بخش، لیاری

میر! بندوں سے کام کب نکلا
مانگنا ہے جو کچھ، خدا سے مانگ
شاعر: میر تقی میر   پسند: ایم اختر اعوان، بلدیہ ٹاؤن

دل میں کس قدر ہے درد، اس کو کیا یقیں آئے
داغ بے نمود اپنا، زخم بے نشاں اپنا
شاعر: داغ دہلوی   پسند: شائمہ ذیشان، ملیر

ہوائے تند میں ٹھیرا نہ آشیاں اپنا
چراغ جل نہ سکا زیرِ آسماں اپنا
شاعر: یاس یگانہ چنگیزی   پسند: فرازیہ اقبال، عزیز آباد

گھر ہے اب قفس فانی! گھر کبھی چمن بھی تھا
ہاں، کبھی وطن بھی تھا، اب وطن کہاں اپنا
شاعر: فانی بدایونی   پسند: ناجیہ وسیم، دستگیر

وہ چمن جسے ہم نے خونِ دل سے سینچا تھا
اس پہ حق جتاتی ہیں آج بجلیاں اپنا
شاعر: حبیب جالب   پسند: خرم خاں، کراچی

ہماری دربدری کا یہ ماجرا ہے کہ ہم
مسافروں کی طرح اپنے گھر کو دیکھتے ہیں
شاعر: احمد فراز   پسند: آصف بوزدار، میرپور ماتھیلو

نبی نہ تھے، مگر انسان پر جان چھڑکتے تھے
سنا ہے اگلے زمانے کے لوگ اچھے تھے
شاعر: محسن نقوی   پسند: پرنس سلمان یوسف سمیجہ، علی پور

ہم نے روشن کیے ہر دل میں چراغِ اُلفت
ہم سے نفرت کا اندھیرا نہیں دیکھا جاتا
شاعر: عبدالجبار اثر   پسند: ارباب فیضان، کوئٹہ

ملی ہے ماں کی دعاؤں سے یہ امان مجھے
کہ اب تو دھوپ بھی لگتی ہے سائبان مجھے
شاعر: اے جلیل   پسند: علینہ سلیم، رحیم یار خان

پتھروں کے اس مکان کو گھر کیسے کہوں
کوئی تو ہو جو مکان کو گھر بنانے آئے
شاعرہ: عمارہ شفیق   پسند: شہلا ادریس، سعودی عرب

عجیب ہے تماشا کہ میرے عہد کے لوگ
سوال کرنے سے پہلے جواب مانگتے ہیں
شاعر: عباس رضوی   پسند: لقیٰ آصف، لاہور

جھانک کر اپنے گریبانوں میں دیکھا تو سہی
اُنگلیوں پر عیب ہم اوروں کے گنواتے رہے
شاعر: محمد عثمان خاں   پسند: صبا طارق، ملتان

درخت

ضیاء الحسن ضیا

خداوند عالم کی نعمت، شجر
ہماری زمیں کی ہیں طاقت، شجر
گھروں میں لگاؤ اِنھیں شوق سے
محلّوں کی بنتے ہیں زینت، شجر
نظر اِن سے آتی ہے ہر سُو بہار
ہماری بڑھاتے ہیں دولت، شجر
اِنھیں سے تو پاتے ہیں ہم پھول پھل
یقیناً خدا کی ہیں رحمت، شجر
درختوں کے ہیں فائدے بے شمار
سکھاتے ہیں ہم کو کفایت، شجر
اِنھیں جو لگائے گا، پائے گا نام
دلائیں گے دنیا میں شہرت، شجر
جہاں بھی رہو تم لگاؤ درخت
کریں گے بہت سی کفالت، شجر
کڑی دھوپ سے یہ بچائیں ہمیں
ضیاؔ سب کو دیتے ہیں فرحت، شجر

باکسنگ کا بادشاہ

حرا وقاص

۱۷ر جنوری ۱۹۴۲ء کو ایک عیسائی سیاہ فام امریکی گھرانے میں ایک بچہ پیدا ہوا، جس کا نام کیسیس مارسیس کلے رکھا گیا۔ اس کی ماں بہت نیک اور عبادت گزار عورت تھی، جس نے اس کی تربیت انتہائی توجہ سے کی تھی۔ عام بچوں کے مقابلے میں وہ خاصا صحت مند اور بھاری بھرکم تھا۔ اس کے بازو اور ٹانگیں لمبی تھیں۔ وہ تین سال کا ہوا تو اس کا جھولا چھوٹا پڑ گیا۔

ایک روز ماں گھر کا کام کرنے کے لیے اسے زبردستی جھولے میں لٹانے کی کوشش کر رہی تھی، اسی دوران اس نے ایک مکا ماں کے منھ پر جڑ دیا۔ ماں کا اگلا دانت ہل گیا، جسے بعد میں نکلوانا پڑا۔ آخر اس کے لیے جھولے کے بجائے ایک الگ بڑے بستر کا انتظام کرنا پڑا۔ ماں جب اس کے ساتھ بس یا ریل میں سفر کرتی تو اسے بچے کا آدھا ٹکٹ لینا پڑتا، کیوں کہ کنڈکٹر یہ ماننے کو تیار نہ ہوتا کہ بچے کی عمر صرف تین سال ہے۔

یہ باکسنگ کے اس بادشاہ کے بچپن کا ذکر ہے، جسے ہم محمد علی کلے کے نام سے جانتے ہیں۔ محمد علی کا گھرانا غریب ضرور تھا، لیکن بستی میں ان کی بڑی عزت تھی۔ محمد علی کے والدین اسے اچھائی بُرائی کے بارے میں سمجھاتے رہتے تھے۔ اس کے رہن سہن میں صفائی اور سلیقہ ہوتا تھا۔ اسے شروع سے اچھے کپڑے پہننے کا شوق ہو گیا تھا۔ دوستوں، پڑوسیوں، رشتے داروں سے اخلاق سے پیش آنا اس نے اپنی ماں سے سیکھا تھا۔ بُری باتوں سے محمد علی کو

اتنی نفرت تھی کہ وہ ایسے لوگوں سے ہرگز نہیں ملتا، جن میں معمولی سی بھی کوئی بُرائی ہوتی۔

ایک بار اس کے والد نے اسے نئی سائیکل خرید کر دی۔ اس وقت اس کی عمر ۱۲ سال تھی۔ ایک دن وہ اپنی سائیکل پر ایک دوست کے ساتھ سالانہ میلے میں تفریح کے لیے گیا۔ سائیکل ایک طرف کھڑی کر کے آئس کریم اور پاپ کارن وغیرہ کھانے میں ایسا محو ہو گیا کہ سائیکل کا خیال ہی نہ رہا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آنے لگا تو دیکھا کہ اس کی سائیکل چوری ہو چکی ہے۔ اس کی تو جان ہی نکل گئی کہ باپ کو کیا جواب دے گا۔ اس نے سارا میلا چھان مارا، مگر سائیکل کہیں نہ ملی۔ اس نے پولیس اہلکار سے شکایت کی تو اس نے کہا کہ اب سائیکل ملنی مشکل ہے۔ یہ سن کر محمد علی نے غصے سے کہا: ''اگر سائیکل چور مجھے نظر آ جائے تو میں اس کی ہڈیاں توڑ دوں گا۔'' وہ پولیس اہلکار ایک باکسر بھی تھا اور ایک کلب میں باکسنگ سکھاتا تھا۔ اس نے پوچھا: ''اگر وہ تم سے زیادہ طاقت ور ہوا تو کیا کرو گے؟'' محمد علی سوچ میں پڑ گیا۔ باکسر پولیس اہلکار نے کہا: ''تم باکسنگ سیکھ لو، میں تمھیں لڑنا سکھاؤں گا۔''

باکسنگ میں محمد علی کا پہلا استاد یہی پولیس اہلکار ''جو مارٹن'' تھا۔ محمد علی کو پڑھنے لکھنے سے زیادہ دل چسپی نہیں تھی۔ اسے پتا تھا کہ ڈگریاں حاصل کرنے کے لیے بار بار امتحان دینا پڑتا ہے اور اس کے لیے سخت محنت کرنی پڑتی ہے۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ صرف ایک امتحان دے گا اور وہ ہو گا باکسنگ کا امتحان۔ اسے فٹ بال یا باسکٹ بال سے

بھی کوئی دل چسپی نہیں تھی۔ وہ تین سال تک اسکول جانے کے ساتھ ساتھ باکسنگ کی تربیت بھی لیتا رہا۔

وہ سب سے منفرد رہنا چاہتا تھا۔ جب اسکول کی چھٹی ہوتی اور لڑکے بس میں سوار ہونے لگتے تو محمد علی خود ہی سب سے آخر میں رہ جاتا۔ جب بس روانہ ہو جاتی تو محمد علی چلتی بس کے پیچھے بھاگتا۔ یہ دیکھ کر لڑکے حیرت کرتے کہ محمد علی کتنا تیز دوڑ رہا ہے۔ کبھی کبھی اسے بس کے پیچھے بہت دور تک بھاگنا پڑتا۔ آخر وہ بس میں سوار ہو ہی جاتا تھا۔

اس کے باکسنگ کے استاد جو مارٹن کا شروع ہی سے خیال تھا کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر باکسنگ کی دنیا کا ہیرو بنے گا۔ اس کا مکا مارنے کا انداز سب سے منفرد تھا۔ ۱۹۶۴ء میں اس نے اسلام قبول کیا، جب وہ ۲۲ سال کا تھا۔ ان دنوں ایک باکسر کو دنیا کا خطرناک ترین باکسر سمجھا جاتا تھا۔ اس کا نام سونی لسٹن تھا۔ وہ اپنی دہشت اور خوں خواری میں بڑی شہرت رکھتا تھا۔ محمد علی نے اس خطرناک باکسر سے لڑنے کا اعلان کر کے سب کو حیران کر دیا۔ کوئی بھی یہ ماننے کو تیار نہیں تھا کہ ایک نوجوان باکسر، لسٹن جیسے خطرناک درندے کے سامنے ٹھیر پائے گا۔ مقابلہ شروع ہوا تو محمد علی نے لسٹن پر اتنے مکے برسائے کہ چھٹے راؤنڈ میں لسٹن نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اب میں ساتویں راؤنڈ میں نہیں جاؤں گا۔ لسٹن نے اپنی شکست مان لی۔

لسٹن نے اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لئے مئی ۱۹۶۵ء دوبارہ مقابلے کا چیلنج کیا۔ وہ اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے بے تاب تھا۔ وہ بہت جوش سے رنگ میں داخل ہوا۔ پہلا راؤنڈ شروع ہوا۔ پہلے راؤنڈ کے پہلے ہی منٹ میں لسٹن کے اوپر محمد علی کا ایسا مکا پڑا کہ وہ

جہاں کھڑا تھا، وہیں ڈھیر ہو گیا۔ دنیا کا خوفناک ترین باکسر جس طرح لمحوں میں ناک آؤٹ (KNOCK OUT) ہوا، تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ محمد علی کے اس مکے کو باکسنگ کی تاریخ کا خطرناک ترین مکا مانا جاتا ہے۔

محمد علی نے ۶۱ مقابلے لڑے، جن میں صرف ۵ مقابلوں میں وہ ناکام رہے۔

انھوں نے ۱۹۸۴ء میں باکسنگ سے ریٹائر ہونے کا اعلان کر دیا۔ ان کے ۹ بچے ہیں۔ ان کی ایک بیٹی لیلیٰ علی بھی ناقابل شکست باکسر تھی، جس نے فروری ۲۰۰۷ء میں ریٹائرمنٹ کا اعلان کیا۔

محمد علی اکتوبر ۱۹۸۷ء میں ایک ہفتے کے دورے پر پاکستان آئے تھے۔ ان دنوں پنجاب کے وزیر اعلا میاں نواز شریف تھے۔ محمد علی نے پہلی بار کبڈی کا مقابلہ دیکھا تھا۔ کھلاڑیوں سے ان کا تعارف کرایا گیا۔ انھوں نے کئی اسکولوں کا دورہ کیا اور بچوں کے ساتھ گھل مل گئے۔ رخصت ہوتے ہوئے انھوں نے کہا تھا: ''کاش! میں یہاں ایک مہینا اور رُک سکتا۔''

محمد علی کو اس صدی کا سب سے عظیم کھلاڑی قرار دیا گیا۔ یہ باکسر ۳۲ سال تک رعشہ جیسی بیماری میں مبتلا رہنے کے بعد ۴ جون ۲۰۱۶ء کو دنیا سے رخصت ہو گیا۔ ☆

بلاعنوان انعامی کہانی

جدون ادیب

عبدل کے والد ہارون صاحب خاموش طبیعت کے انسان تھے۔ گھنٹوں بیٹھے کچھ سوچتے رہتے۔ زیادہ بات چیت پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ قصبے کے برابر والے جنگل میں دور تک نکل جاتے۔ پھولوں، درختوں، جانوروں اور بہتے پانی کے جھرنوں کو دیکھتے رہتے اور کبھی کبھی خود سے باتیں کرنے لگتے تھے۔ عبدل کے دادا ''میاں صاحب'' کا فارم ہاؤس اور ایک بڑا باغ تھا، جس کی آمدنی سے گھر کا خرچ بڑی خوبی سے چل رہا تھا۔ عبدل کے چچا محنتی انسان تھے اور سارے کام سنبھالے ہوئے تھے۔

عبدل کے والد کئی کئی دن کسی کو بتائے بغیر غائب ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ تو وہ چار
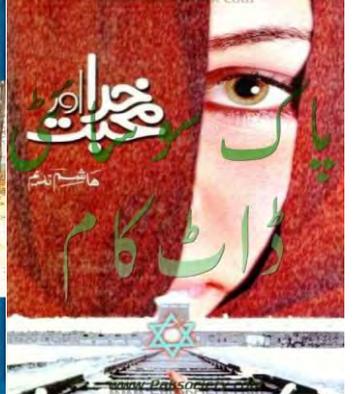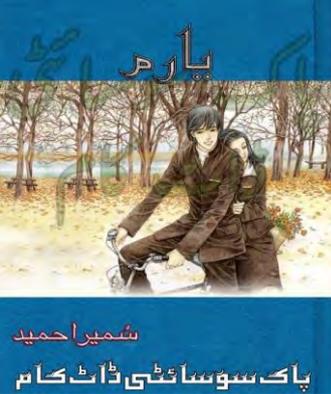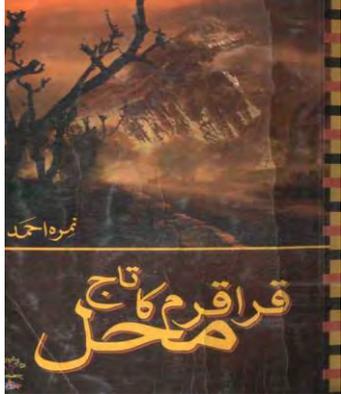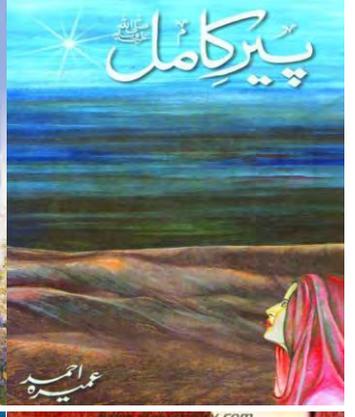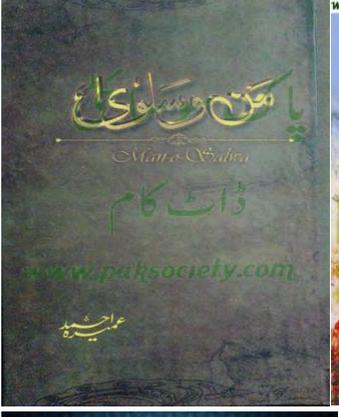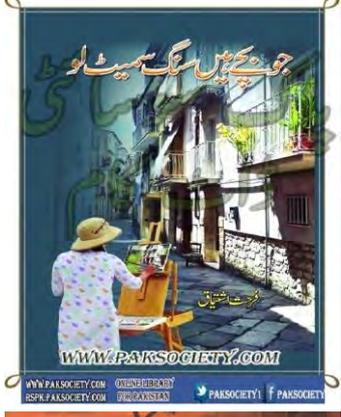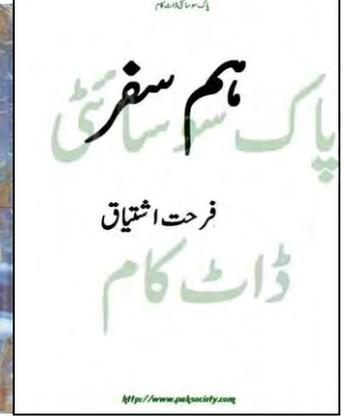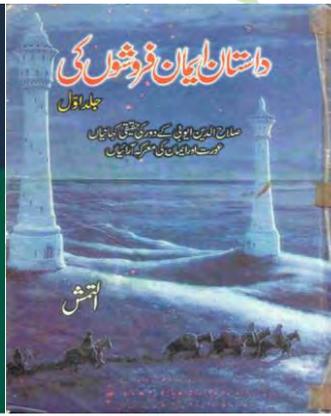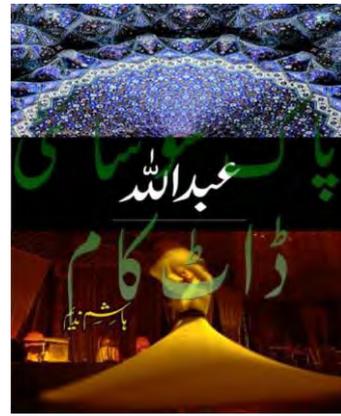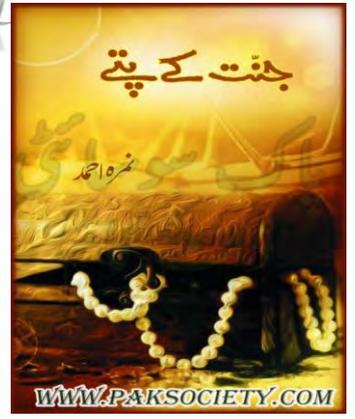
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

مہینے کے بعد آئے تھے، مگر اس مرتبہ انھیں غائب ہوئے سال بھر ہو چکا تھا۔

عبدل ان سے بہت محبت کرتا تھا۔ وہ بہت خوب صورت باتیں کرتے تھے۔ عبدل کے لیے ان کے دل میں بہت محبت اور شفقت تھی۔ عبدل کا خیال تھا کہ اس کے والد دوسرے لوگوں سے مختلف انسان ہیں۔ شاید یہ ماحول ان کی طبیعت کے موافق نہیں، اس لیے وہ لوگوں سے زیادہ گھلتے ملتے نہیں تھے۔

کچھ دن سے عبدل کی امی بیمار رہنے لگی تھیں۔ وہ اکثر اپنے شوہر کو یاد کرتی تھیں۔ عبدل کے دادا نے کئی مرتبہ قصبے کے ڈاک خانے میں جا کر پوسٹ ماسٹر سے اپنے بیٹے کے کسی خط یا کسی اطلاع کا معلوم کیا۔ کچھ جگہوں پر فون بھی کرایا، مگر کچھ پتا نہیں چلا۔ عبدل کے والد سیلانی طبیعت کے مالک تھے۔ نہ جانے کہاں پر ہوں گے۔ سب یہی سوچتے تھے،
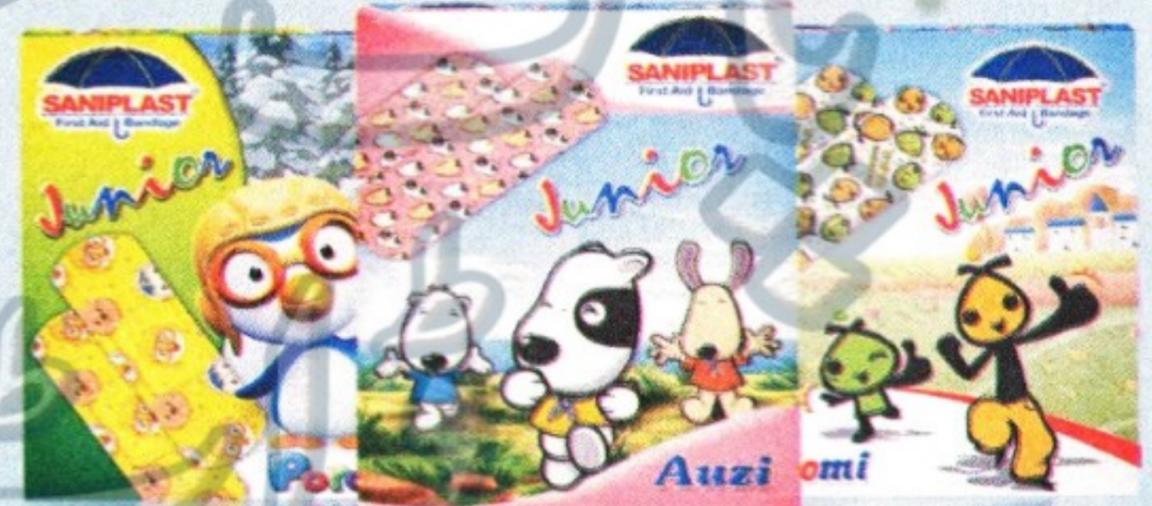
مگر اب عبدل نے کچھ اور سوچنا شروع کر دیا۔ اپنی ماں کی حالت اس سے نہیں دیکھی گئی تو عبدل نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے ابو کو خود ڈھونڈ لے گا۔

عبدل نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ جب تک وہ کوئی کامیابی حاصل نہیں کر لیتا، اس بارے میں وہ کسی کو نہیں بتائے گا۔ قصبے میں خدا بخش وہ واحد شخص تھے، جن سے عبدل کے والد کبھی کبھار بات چیت کر لیتے تھے اور انھیں اپنا واحد دوست قرار دیتے تھے۔

عبدل ان کے پاس پہنچا اور سلام دعا کے بعد کہا: ''چچا! بات سال بھر پرانی ہو چکی ہے، لیکن شاید آپ کو کچھ اندازہ ہو کہ آخری دنوں میں ابو کہاں گئے تھے؟''

خدا بخش نے چند لمحے سوچا اور پھر بتایا: ''ویسے تو وہ کئی کئی دن مجھ سے نہیں ملتے تھے، مگر ان دنوں وہ روزانہ ایک دو گھڑی کے لیے آ کر بیٹھ جاتے تھے۔ اس لیے جب غائب ہوئے تو مجھے پتا چل گیا تھا۔ پھر کئی دن تک تمھارے چچا پوچھنے بھی آئے تھے۔''

عبدل نے بے چین لہجے میں پوچھا: ''چچا! آپ کے خیال میں وہ کہاں جا سکتے ہیں؟''

''میرا خیال ہے کہ وہ جنگل کی طرف گئے ہوں گے۔'' خدا بخش نے پُر خیال انداز میں کہا: ''کیوں کہ اپریل کا مہینا شروع ہو چکا تھا اور جنگل میں خاص طور پر پھولوں اور جنگلی بیروں کے لیے وہ مناسب دن تھے اور انھیں یہ دن جنگل میں گزارنا پسند تھا۔''

''اگر وہ جنگل گئے ہیں تو واپس کیوں نہیں آئے؟'' عبدل نے بے چینی سے کہا۔

''شاید وہ واپس آئے ہوں اور پھر کہیں اور نکل گئے ہوں۔''

''یہ بھی ہو سکتا ہے، خدانخواستہ انھیں کوئی حادثہ پیش آ گیا ہو۔'' عبدل نے سوچتے ہوئے کہا۔

خدا بخش نے غور سے عبدل کی طرف دیکھا پھر کہا: ''میں تمھیں جنگل میں بھٹکنے کا

مشورہ ہرگز نہیں دوں گا۔ حادثے کے امکان کو مسترد کر دو، کیوں کہ اگر ایک سال پہلے حادثہ ہوا بھی ہے تو اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ میری بات سمجھ رہے ہو نا......!''

عبدل نے بے خیالی میں سر ہلایا۔ خدا بخش کو تسلی نہیں ہوئی۔ انھوں نے اس کا کاندھا ہلایا: ''ایک سال بعد کسی حادثے کا شکار آدمی کی مدد نہیں کی جا سکتی۔''

عبدل چلا گیا۔ دوسرے دن خدا بخش نے عبدل کو سمجھانے کی غرض سے بلوایا تو بچہ یہ اطلاع لے کر آیا کہ وہ تو صبح سویرے ہی کہیں چلا گیا ہے اور شام ہو گئی، مگر وہ لوٹا نہیں۔

عبدل کو گئے ہوئے ایک ہفتہ ہو گیا۔ عبدل کے دادا بھی بیمار ہو کر بستر سے جا لگے۔ عبدل کے چچا اپنی تینوں بیٹیوں کے ساتھ صبح سے شام تک عبدل کی راہ تکتے رہتے۔ پہلے بھائی گیا اور اب بھتیجا۔ عبدل اپنے ساتھ گھر کی ساری خوشیاں بھی لے گیا تھا۔

گیارھویں دن قصبے کے ڈاکٹر نے صاف بتایا کہ میاں صاحب کو شہر لے جانا ہوگا۔ جب مریض غذا نہ لے اور نہ کچھ کھائے پیے تو ڈاکٹر کچھ نہیں کر سکتا۔

ڈاکٹر کے جانے کے بعد گھر کی فضا اور سوگوار ہو گئی۔ دونوں بہوئیں اور تینوں پوتیاں دادا کے بستر کے گرد بیٹھی تھیں۔

''میں کیا کروں، کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔'' میاں صاحب نے سر پکڑ لیا۔

باہر قصبے کا حجام کھڑا تھا۔ دادا میاں کو دیکھ کر کہا: ''مبارک ہو میاں جی! آپ کا بیٹا اور پوتا واپس آ گئے اور کیا کارنامہ کر کے آئے ہیں۔ پورا قصبہ ان کے استقبال کو جمع ہے۔''

''خیر مبارک، خیر مبارک!'' دادا نے خوش ہو کر جیب میں ہاتھ ڈالا اور جتنے نوٹ نکلے، وہ حجام کو دے دیے۔ حجام خوشی سے نوٹ چوم کر بولا: ''لگتا ہے، آپ لوگ ٹیلے وژن نہیں دیکھتے!''

''ہاں، ہم نے کئی دن سے ٹی وی نہیں دیکھا۔'' چھوٹی لڑکی بولی۔ تھوڑی دیر بعد سب قصبے کے چوک میں جمع تھے۔

اب ساری بات کھل چکی تھی۔ قصبے کے ساتھ والا جنگل میلوں دور پھیلا ہوا تھا۔ ایک طرف خطرناک پہاڑی سلسلہ تھا۔ اسی جگہ ایک بڑے غار میں مجرموں نے اپنا ٹھکانا بنا رکھا تھا۔ اس جگہ وہ منشیات کا دھندا کرتے تھے۔ وہ درختوں کے تنوں میں منشیات بھر دیتے تھے اور یہ درخت آسانی سے پورے ملک میں پہنچ جاتے، کیوں کہ ان کی کٹائی کے باقاعدہ اجازت نامے تھے اور ہر کام قانون کے مطابق ہو رہا تھا۔ بظاہر تعمیراتی مقاصد کے لیے درختوں کی کٹائی اور ان کی سپلائی کا کام تھا، مگر چوری چھپے بڑے منظم طریقے سے پورے ملک میں منشیات پھیلائی جا رہی تھی۔

عبدل کے والد جنگل میں ان مجرموں کے نرغے میں آ گئے۔ انھوں نے عبدل کے والد کو قید کر لیا اور بعد میں کھانا اور چائے وغیرہ بنانے پر لگا دیا۔ جلد ہی وہ انھیں بے ضرر سمجھنے لگے، کیوں کہ وہ اپنے کام سے کام رکھتے اور ہر وقت سوچ بچار میں مگن رہتے تھے، مگر وہ ان کی ہر بات کو غور سے سنتے تھے۔ مجرم ان کی موجودگی میں آزادانہ گفتگو کرتے اور اس دوران یہ اہم نکتے نوٹ کر لیتے، حتیٰ کہ انھیں مجرموں کے پورے نیٹ ورک کے بارے میں پتا چل گیا۔ وہ مناسب موقعے کی تلاش میں تھے کہ عبدل انھیں ڈھونڈتا ہوا وہاں پہنچ گیا اور ان سے ثبوت وغیرہ لے کر شہر پہنچ گیا۔ پولیس نے اچانک کارروائی کی اور تمام مجرموں کو منشیات کی بھاری مقدار سمیت گرفتار کر لیا۔ دوسری طرف کئی شہروں میں ایک ساتھ کارروائیاں ہوئیں اور مجرموں کو سنبھلنے اور بچنے کا موقع ہی نہیں ملا اور اس طرح گروہ کا مکمل خاتمہ کر دیا گیا۔

کامیابی کا سہرا عبدل اور اس کے ابو کے سر بندھا، مگر عبدل کے والد جانتے تھے کہ

اصل کارنامہ ان کے بیٹے عبدل نے انجام دیا ہے۔ عبدل اور اس کے والد کی آمد سے میاں صاحب کا گھر خوشیوں سے بھر گیا۔ پورا قصبہ مبارک باد دینے آ رہا تھا۔ ٹیلے وژن پر دونوں کے چرچے ہو رہے تھے۔ اخبارات میں خبریں دینے کے لیے کئی رپورٹر قصبے میں پہنچ چکے تھے اور ہر طرف خوشیاں تھیں۔

میاں صاحب نے تنہائی میں عبدل کے والد سے کہا: ''ہارون بیٹے! کہیں جایا کرو تو ہمیں بتا دیا کرو۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں تمھیں بے کار یا نکما نہیں سمجھتا۔''

ہارون نے سر اُٹھا کر باپ کو دیکھا: ''شکریہ بابا جان! مجھے احساس ہو گیا ہے کہ ہر انسان سے بہت سارے دوسرے لوگ بھی جڑے ہوتے ہیں۔ میں آیندہ احتیاط کروں گا۔''

''شاباش میرے بیٹے!'' میاں صاحب نے کہا۔ اسی لمحے عبدل اندر آیا تو بوڑھے دادا نے بیٹے اور پوتے دونوں کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

☆☆☆
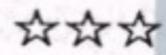
اس بلاعنوان انعامی کہانی کا اچھا سا عنوان سوچیے اور صفحہ ۸۶ پر دیے ہوئے کوپن پر کہانی کا عنوان، اپنا نام اور پتا صاف صاف لکھ کر ہمیں ۱۸- اگست ۲۰۱۶ء تک بھیج دیجیے۔ کوپن کو ایک کاپی سائز کاغذ پر چپکا دیں۔ اس کاغذ پر کچھ اور نہ لکھیں۔ اچھے عنوانات لکھنے والے تین نونہالوں کو انعام کے طور پر کتابیں دی جائیں گی۔ نونہال اپنا نام پتا کوپن کے علاوہ بھی علاحدہ کاغذ پر صاف صاف لکھ کر بھیجیں تا کہ ان کو انعامی کتابیں جلد روانہ کی جا سکیں۔

نوٹ: ادارہ ہمدرد کے ملازمین اور کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔

علم دریچے

زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنے کی عادت ڈالیے اور اچھی اچھی مختصر تحریریں جو آپ پڑھیں، وہ صاف نقل کر کے یا اس تحریر کی فوٹو کاپی ہمیں بھیج دیں، مگر اپنے نام کے علاوہ اصل تحریر لکھنے والے کا نام بھی ضرور لکھیں۔

غیر کا خیال

مرسلہ: مہک اکرم، لیاقت آباد

حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ فرماتے ہیں کہ ایک درویش تھا، جس کی ہر دعا اللہ تعالیٰ قبول فرما لیتا تھا۔ ایک شخص ان سے کہنے لگا: ''یا حضرت! جب آپ مراقبے کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز میں مشغول ہوں تو میرے لیے بھی دعا کریں۔''

درویش نے جواب دیا: ''خدا مجھے اسی وقت دنیا سے اُٹھا لے، جب میں اس کی یاد میں کسی غیر کا خیال بھی لاؤں۔''

نیکیاں اور ہیرے

مرسلہ: سمیعہ توقیر، کراچی

ایک قافلہ اندھیری سرنگ سے گزر رہا تھا کہ ان کے پاؤں میں کنکریاں چبھیں، کچھ لوگوں نے اس خیال سے کہ یہ کسی اور کو نہ چبھ جائیں، اُٹھا کر رکھ لیں۔ کچھ نے زیادہ اُٹھائیں، کچھ نے کم اور کچھ نے ایک بھی نہ اُٹھائی۔

جب قافلہ اندھیری سرنگ سے باہر آیا تو دیکھا کہ وہ ہیرے تھے۔ جنھوں نے کم اُٹھائے، وہ پچھتائے کہ کم کیوں اُٹھائے۔ جنھوں نے بالکل نہیں اُٹھائے وہ اور بھی پچھتائے۔ دنیا کی مثال بھی ایسی ہی ہے۔ اس زندگی میں نیکیاں ہیرے جیسی قیمتی ہیں اور آخرت میں انسان ان نیکیوں کے لیے ترسے گا۔

بچے کا جذبہ

مرسلہ: عاشر عباس، ملتان

قیامِ پاکستان سے پہلے کی بات ہے۔ ایک بچہ سڑک پر جا رہا تھا کہ ٹھوکر کھا کر

گر پڑا اور زخمی ہو گیا۔ خون بہتا دیکھ کر بچہ رونے لگا۔ قریب سے ایک مسلمان راہ گیر گزرا۔ وہ بولا: ''کتنی شرم کی بات ہے، مسلمان کا بچہ ہو کر رو رہا ہے۔''

بچے نے جواب دیا: ''میں چوٹ لگنے اور خون بہنے پر نہیں رو رہا، میں تو اس لیے رو رہا ہوں کہ یہ خون جو پاکستان کے لیے بہنا تھا، آج بے کار بہ گیا۔''

ٹیپو سلطان اور موسیقی

مرسلہ : تحریم خان، نارتھ کراچی

ٹیپو سلطان کو موسیقی سے بھی بہت دل چسپی تھی، بلکہ وہ فنِ موسیقی سے خوب واقف تھے۔ ٹیپو سلطان کی سرپرستی میں فنِ موسیقی پر ایک کتاب ۱۱۹۹ھ میں لکھی گئی۔ اس کا نام ''مفرح القلوب'' ہے۔ اس کے مصنف عباداللہ ہیں۔ اس میں موسیقی کے قواعد و ضوابط کے ساتھ راگ اور راگنیوں اور نغموں کے متعلق روشنی ڈالی گئی ہے۔

مصنفین کی روحیں

مرسلہ : منیر نواز، ناظم آباد

یہ جھوٹ نہیں سچ ہے کہ بعض ناولوں کو ان کے مصنفین نے اپنی زندگی میں نہیں، بلکہ وفات کے بعد ان کی روحوں نے مکمل کروائے۔ چارلس ڈکنز کا انتقال ہوا تو اس کا سلسلہ وار ناول نامکمل تھا۔ اس ناول کی تکمیل ایک ایسے غیر معروف نوجوان نے کی، جس کا دعوا تھا کہ ڈکنز کی روح اسے لکھ کر دیتی ہے۔ ناقدین نے جب اس تحریر کو پرکھا تو انداز ہو بہو ڈکنز کا ہی معلوم ہوا۔ ایک رپورٹ کے مطابق ایک مصور نے مشہور مصوروں کی روحوں سے رابطے کا دعوا کیا۔ وہ لیونارڈو ڈاونچی سمیت اہم مصوروں کے شاہکار چند منٹوں میں بنا دیتا تھا۔

عزم

شاعر : افضال شعور

پسند : اُسامہ ملک، کراچی

پڑھنا ہے مجھے اور پڑھنا ہے
بڑھنا ہے مجھے اور آگے بڑھنا ہے

ہر راہ گزر، ہر منزل سے آگے جانا ہے
خواب جو دیکھا ہے، اس کی تعبیر کو پانا ہے
عزم و ارادے کا میں پکا ہوں
قول و عمل میں بھی سچا ہوں
اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہناؤں گا
جو کہتا ہوں کر کے دکھاؤں گا
مجھے جانا ہے آکاش کناروں سے آگے
سورج، چاند، ستاروں سے آگے
اس دھرتی کا قرض مجھے چکانا ہے
سب کو پیار و وفا کا سب پڑھانا ہے
پڑھنا ہے مجھے اور پڑھنا ہے
بڑھنا ہے مجھے اور آگے بڑھنا ہے

دریچۂ معلومات

مرسلہ : محمد عمر بن عبدالرشید، کراچی

☆ نائیجیریا (افریقا) میں ''توراح'' نامی قبیلے میں مرد نقاب پہنتے ہیں۔

☆ چاند پر کھڑے ہو کر زمین کو دیکھنے کے لیے اوپر کی طرف دیکھنا ہوگا۔

☆ جنگ کے دنوں میں فلپائن کا پرچم اُلٹا لٹکا دیا جاتا ہے۔

☆ صرف نر مینڈک ہی ٹرّا سکتا ہے

☆ صرف نر لال بیگ ہی اُڑ سکتے ہیں۔

☆ کویت وہ واحد ملک ہے، جہاں عوام سے کسی قسم کا ٹیکس نہیں لیا جاتا۔

☆ گالف وہ واحد کھیل ہے، جس میں کم اسکور کرنے والا جیت جاتا ہے۔

☆ مچھلیوں کی آنکھ پر کوئی پپوٹا نہیں ہوتا۔

☆ مینڈک بہت سرد موسم میں اپنے آپ کو بے حس و حرکت کر کے کیچڑ میں چھپ جاتا ہے۔ اس دوران وہ پانچ منٹ میں ایک مرتبہ سانس لیتا ہے۔

☆ دنیا کا سب سے بڑا مینڈک افریقا میں پایا جاتا ہے، جس کی جسامت ڈھائی فیٹ ہے۔

☆ کیلیفورنیا (امریکا) میں دنیا کا سب سے پرانا درخت پایا جاتا ہے، جس کی عمر کا اندازہ (۴۹۰۰) سال لگایا گیا ہے۔

الیکشن

مرسلہ : آمنہ غفار، اسلام آباد

ایک دن میں امی جان کے ساتھ کپڑے خریدنے بازار گئی۔ الیکشن کا زمانہ قریب تھا اور اب ہم بچے الیکشن کے دنوں میں پرانے کپڑے پہننا پسند نہیں کرتے۔ ایک زمانہ تھا کہ لوگ عید، بقر عید پر نئے نئے کپڑے سلوا کر خوش ہوا کرتے تھے۔ آج کل تو ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ عید، بقر عید پر چاہے پرانے کپڑے پہن لے، لیکن الیکشن اور کرکٹ میچ کے موقع پر نئے کپڑے ضرور بنائے جائیں۔

بازار میں ہمارے قریب سے چھوٹے چھوٹے بچوں کا ایک جلوس گزرا۔ جلوس میں شامل بہت سے بچے زور زور سے نعرے لگا رہے تھے۔ J.J.U.S زندہ باد، باقی سارے مردہ باد۔

میں بہت حیران ہوئی کہ یہ کون سی پارٹی ہے، جو بچوں میں بھی بہت مقبول ہے۔ بازار میں بھی ہر شخص اسی پارٹی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ خیر، ہم نے خریداری کی اور گھر آ کر بھیا سے اس پارٹی کے بارے میں پوچھا۔ پہلے تو وہ خوب ہنسے اور ہماری لاعلمی کا خوب مذاق اُڑایا۔ پھر بتانے لگے کہ یہ کسی پارٹی کا نام نہیں، بلکہ اس کا مطلب ہے: ''جو جیتے اسی کے ساتھ۔''

شگفتہ شگفتہ

مرسلہ : سمیرہ بتول اللہ بخش سعیدی، حیدر آباد

☆ دوست اور شیشے میں اتنا فرق ہے کہ شیشہ غلطی سے ٹوٹتا ہے اور دوست غلط فہمی سے۔

☆ دو چیزیں انسان کو آگے بڑھنے نہیں دیتی۔ ایک منفی سوچ، دوسری ٹانگ کی موچ۔

☆ کسی کی خاموشی کو تکبر نہ سمجھیں، ہوسکتا ہے اس کے منھ میں گٹکا ہو۔

☆ برائیاں اپنی ہوں یا دوسروں کی، ان سے دور ہی رہیے، صحت اچھی رہے گی۔

کہانی ایک استاد کی

گلاب خان سولنگی

آج ۱۴-اگست ہے۔ پاکستان کی آزادی کا اعلان ہوتے ہی مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ غلامی کی زنجیریں ٹوٹ چکی تھیں اور قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں ایک نیا اسلامی ملک دنیا کے نقشے پر قائم ہو چکا تھا۔ لوگ اپنا گھر بار، کار بار اور جائدادیں وغیرہ چھوڑ کر دیوانہ وار نئے وطن میں آباد ہونے کو چل پڑے۔ ہجرت کے دوران مسلمانوں نے جن پریشانیوں کا سامنا کیا وہ اذیت ناک اور دل دہلانے والے واقعات تاریخ کا حصہ ہیں۔

ہجرت کرنے والوں میں ایک پندرہ سال کا نوجوان بھی اپنی تمام جمع پونجی لکڑی کے ایک چھوٹے سے صندوقچے میں رکھے، مستقبل کے خواب سجائے، قافلے کے ساتھ رواں دواں تھا۔

وہ نوجوان بچپن میں اپنے والد کے سائے سے محروم ہو گیا تھا اور کچھ عرصے بعد ہی اس کی بوڑھی والدہ بھی فسادات میں ماری گئی تھیں۔ اب وہ نوجوان اکیلا تھا اور محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالتا تھا۔ ایسے مشکل حالات میں بھی اس نوجوان نے تعلیم سے اپنا ناتا نہیں توڑا۔ اس دوران اسے اپنی ناداری اور مذہبی بنیاد پر بہت تکلیف برداشت کرنی پڑی۔

پاکستان بننے کے بعد اس نے سوچا کہ اب پاک وطن کی طرف ہجرت کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ ۱۴- اگست ۱۹۴۷ء کے مبارک دن اس نے فیصلہ کیا کہ وہ بھی

ہجرت کرنے والے قافلے کے ساتھ شامل ہوگا۔

قافلہ تقریباً پانچ سو افراد پر مشتمل تھا۔ ان میں اکثر لوگ پیدل، جب کہ کچھ لوگ بیل گاڑیوں وغیرہ پر سفر کر رہے تھے۔ بچہ، بوڑھا، ہر شخص اک نئے جذبے اور ولولے کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا اور ان سب کی منزل پاکستان تھی۔

قافلے میں موجود ایک بوڑھا اس نوجوان کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ بوڑھے نے ایک بات محسوس کی اور نوجوان سے کہا: ''بیٹے! اس صندوقچے میں شاید کوئی بہت قیمتی یا مقدس چیز ہے، جسے تم ہر وقت اپنے سینے سے لگائے رکھتے ہو۔''

نوجوان نے مسکرا کر جواب دیا: ''باباجی! یہ بات میں آپ کو پاکستان پہنچ کر ہی بتاؤں گا۔''

بوڑھا خاموش ہوگیا اور سوچنے لگا کہ اس صندوق میں ایسی کیا چیز ہے، جو وہ مجھے بھی نہیں بتا رہا ہے۔

اس قافلے کو رستے میں کافی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جگہ جگہ شرپسندوں نے قافلے پر حملہ کیا اور ناحق خون بہایا، قتل و غارت کے بعد فرار ہو جاتے تھے۔

اس نوجوان نے ان فسادیوں سے بوڑھے شخص کی جان بچائی اور قافلے کے ساتھ آگے چلتے گئے۔ آخر مصیبتوں کا سمندر عبور کر کے وہ قافلہ جو کہ اب تقریباً دو سو افراد پر مشتمل رہ گیا تھا، پاکستان کی سرحد تک پہنچ گیا۔

پاکستان میں داخل ہوتے ہی اللہ اکبر اور پاکستان زندہ باد کے نعرے گونج اُٹھے۔ قافلے والے پاک سرزمین پر قدم رکھتے ہی سجدے میں گر گئے اور پاکستان میں

آنے کی خوشی میں رستے کی ہر تکلیف کو بھول گئے، وہ اس سرزمین کی مٹی کو چوم رہے تھے اور خوشی کے آنسو بھی بہا رہے تھے۔

وہ لڑکا بھی اپنی منزل پا کر خوشی سے آبدیدہ ہوگیا، وہ بوڑھا اب بھی اس کے ساتھ تھا۔ لڑکے نے کہا: ''باباجی! پاکستان آگیا۔ اب میں یہ صندوقچہ کھولوں گا۔''

نوجوان نے مسکرا کر صندوقچے کا تالا کھولا۔ صندوقچہ کتابوں سے بھرا ہوا تھا۔

بوڑھا حیران رہ گیا: ''ارے! یہ تو کتابیں ہیں، میں سمجھ رہا تھا کہ اس میں رقم اور زیور ہوں گے۔''

لڑکے نے پھر مسکرا کر کہا: ''بابا! علم سے بڑی کوئی دولت نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں انمول آزادی کے تحفے سے بھی تو نوازا ہے۔ مسلمان ہونے کی وجہ سے جب مجھے اسکول سے نکالا گیا تھا، اسی وقت میں نے یہ عہد کیا تھا کہ اگر ہمیں آزادی ملی تو میں پاکستان جا کر اپنی ادھوری تعلیم مکمل کروں گا۔''

وہ نوجوان اب ۸۳ سال کا بوڑھا ہو چکا ہے اور ایک مشہور درس گاہ میں اعلا تعلیم حاصل کرنے کے بعد اسی درس گاہ میں معلم کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتا رہا ہے۔ وہ ساری عمر علم کی شمع روشن کرتا رہا۔

کل کے اس نوجوان کو آج بوڑھا ہونے پر اس کی خدمات کو سراہتے ہوئے ملازمت سے ریٹائر کر دیا ہے، لیکن اس کا کہنا ہے کہ علم کی شمع جلانے والا، علم دوست انسان کبھی بھی ریٹائر نہیں ہوتا۔

☆☆☆

غالب، دیوان اور کمپیوٹر

حیات رضوی امروہوی

۱۸۵۰ء کے ہلکی ہلکی سردیوں کے دن تھے۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب، گلی قاسم جان والے مکان کے برآمدے میں اُس تخت پر بیٹھے تھے، جس پر پُرانے قالین کا ٹکڑا بچھا ہوا اور گاؤ تکیہ لگا ہوا تھا، ایک غزل کے چند مصرعے انھیں کھٹک رہے تھے۔

ملازم کو آواز دی کہ قلم دان اور دیوان کا دفتر لایا جائے تا کہ مصرعوں میں کچھ ردّو بدل کی جائے۔ قلم دان آیا تو دیکھا کہ قلم گھستے گھستے اور تراشتے تراشتے اس قدر چھوٹا ہو چکا ہے کہ اب لکھنا محال ہے۔

ملازم کو پھر آواز دی اور نرسل کا پکا سرکنڈہ اور ولائتی چاقو لانے کے لیے کہا، جس کی فوراً تعمیل کی گئی۔ قلم کو حسبِ ضرورت تراشا گیا اور تخت کے کونے پر قلم کو رکھ کر چاقو کی مدد سے قلم بنالیا۔ قلم بن گیا تو دیکھا کہ دوات میں سیاہی بالکل ختم ہو چکی ہے۔

پھر نوکر کو آواز دی۔ ولائتی سیاہی کی بڑی شیشی اور کپڑے کا ایک چھوٹا ٹکڑا لانے کے لیے کہا۔ یہ چیزیں دَم بھر میں مہیا ہو گئیں۔ شیشی سے سیاہی دوات میں اُنڈیلی اور چھوٹے کپڑے کی ایک چھوٹی سی گدی بنا کر دوات میں رکھی، جس سے اُنگلیاں سیاہ ہو گئیں۔

پھر ملازم کو آواز دی، سلفچی، پانی کا لوٹا، صابن اور تولیا لانے کو کہا، جو لا دیا گیا۔ رگڑ کر ہاتھ دھوئے، تولیے سے خشک کیے اور دیوان کی طرف متوجہ ہوئے۔ ابھی دو ایک ہی مصرعوں کو گنگنا کر چُول بٹھائی تھی کہ شیرہ و بادام والے شربت کا وقت آ پہنچا، دیوان

لپیٹ دیا گیا اور قلم دان رکھوا دیا گیا۔ اللہ اللہ خیر صلّا۔

اگر آج مرزا غالب زندہ ہوتے اور دیوان کے چند اشعار میں اصلاح کرنا چاہتے تو ''لیپ ٹاپ'' اُن کی جھولی میں رکھا ہوا ہوتا۔ نہ قلم دان کی ضرورت پڑتی نہ دیوان منگوایا جاتا، نہ قلم منگواتے نہ اُس کو تراشنے کی حاجت ہوتی، نہ روشنائی ڈالتے نہ اُنگلیاں کالی ہوتیں، نہ صابن تولیہ منگواتے اور نہ سلفچی۔ مزے سے لیپ ٹاپ میں فولڈر سے اپنے دیوان کا فائل نکالتے، غیر ضروری الفاظ ڈیلیٹ کرتے اور ان کی جگہ من پسند الفاظ کمپوز کر دیتے۔ اللہ اللہ خیر صلّا۔

اے سست نونہالو! اتنی آسانیوں کے باوجود اگر تم سستی کرو اور مطالعہ نہ کرو، اپنے علم میں اضافہ نہ کرو تو اس کا نقصان بھی تم کو ہی اُٹھانا پڑے گا۔

☆☆☆

بعض نونہال پوچھتے ہیں کہ رسالہ ہمدرد نونہال ڈاک سے منگوانے کا کیا طریقہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی سالانہ قیمت ۳۸۰ رپے (رجسٹری سے ۵۰۰ رپے) منی آرڈر یا چیک سے بھیج کر اپنا نام پتا لکھ دیں اور یہ بھی لکھ دیں کہ کس مہینے سے رسالہ جاری کرانا چاہتے ہیں، لیکن چوں کہ رسالہ کبھی کبھی ڈاک سے کھو بھی جاتا ہے، اس لیے رسالہ حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اخبار والے سے کہہ دیں کہ وہ ہر مہینے ہمدرد نونہال آپ کے گھر پہنچا دیا کرے، ورنہ اسٹالوں اور دکانوں پر بھی ہمدرد نونہال ملتا ہے۔ وہاں سے ہر مہینے خرید لیا جائے۔ اس طرح پیسے بھی اکٹھے خرچ نہیں ہوں گے اور رسالہ بھی جلد مل جائے گا۔

ہمدرد فاؤنڈیشن، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی

معلومات ہی معلومات

غلام حسین میمن

خطبات

کتاب ''خطبات مدراس'' علامہ سید سلیمان ندوی کے ہندستان کے شہر مدراس میں ''سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' پر دیے گئے خطبات کا مجموعہ ہے۔ اس میں آٹھ خطبات ہیں۔ پہلے خطبے کا عنوان ''انسانیت کی تکمیل'' ہے اور آخری خطبے کا عنوان ''پیغامِ محمدیؐ'' ہے۔

کتاب ''خطبات بہاول پور'' ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بہاول پور میں دیے گئے خطبات کا مجموعہ ہے۔ اس میں بارہ خطبات ہیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ مستقل سفری ویزے پر فرانس کے شہر پیرس میں مقیم تھے اور علمی تحقیق میں مصروف رہتے تھے۔ وہ حکومتِ پاکستان کی دعوت پر آئے۔ انھوں نے یہ خطبات اسلامیہ یونی ورسٹی، بہاول پور میں دیے تھے۔ پہلا خطبہ تاریخ قرآن مجید سے متعلق ہے اور آخری خطبے کا عنوان ''تبلیغ اسلام اور غیر مسلموں سے برتاؤ'' ہے۔

۱۴- اگست، نزولِ وحی کا آغاز بھی

۱۴- اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان ایک علاحدہ آزاد ملک کی حیثیت سے اقوامِ عالم کی فہرست میں شامل ہوا۔ اس کے بانیوں میں قائداعظم محمد علی جناح کی سربراہی میں ہر وہ شخص شامل ہے، جس نے اس کی آزادی کے لیے محنت کی۔ اس دن اسلامی تاریخ ۲۷ رمضان المبارک تھی، جو لیلتہ القدر کی متوقع راتوں میں سے ایک رات تصور کی جاتی ہے۔ شہید حکیم محمد سعید ہر سال اپنی زندگی میں ۲۷ رمضان المبارک کو ہی یومِ آزادیِ پاکستان مناتے تھے۔

۱۴- اگست، اسلامی تاریخ میں بھی بہت اہمیت رکھتی ہے۔ ۱۴- اگست ۶۱۰ء کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر غارِ حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی تھی۔ اس وقت اللہ کے رسولؐ غارِ حرا میں عبادت اور غوروفکر میں مصروف تھے، جب حضرت جبرائیل علیہ السلام، آپؐ پر سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیات کی وحی لے کر آئے۔

(بحوالہ: ''پیغمبر اعظم و آخر'' از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، ''سیرۃ احمد مجتبیٰ'' از شاہ مصباح الدین شکیل اور ''آقاؐ'' از ابدال بیلا)

یومِ آزادی

۱۴- اگست کو پوری پاکستانی قوم آزادی کا جشن مناتی ہے اور بانیانِ پاکستان سمیت اُن تمام شہداء (شہید کی جمع) کو یاد کرتی ہے، جن کو قربانیوں کے طفیل ہم آزادی وطن حاصل کرنے میں کام یاب ہوئے۔

۱۴- اگست ایک اور اسلامی ملک بحرین بھی آزاد ہوا، جو خلیج فارس کے ۳۵ چھوٹے بڑے جزائر پر مشتمل ہے۔ یہ خلیج فارس، جزیرہ نما قطر اور سعودی عرب کے درمیان واقع ہے۔ اس کا دارالحکومت ''مناما'' ہے۔ یہاں کی سرکاری زبان عربی ہے، جب کہ فارسی بھی بولی جاتی ہے۔ یہاں کا سکہ بحرینی دینار کہلاتا ہے۔

یومِ تشکر

قائداعظم محمد علی جناح پر ۲۶ جولائی ۱۹۴۳ء کو خاکسار تحریک کے کارکن محمد رفیق صابر نے قاتلانہ حملہ کیا۔ اس دوران قائداعظم کو معمولی خراشیں آئیں۔ قائداعظم کے قاتلانہ حملے میں بچ جانے کی خوشی میں آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے ۱۳- ستمبر ۱۹۴۳ء کو یومِ تشکر منایا گیا۔

معلومات ہی معلومات

غلام حسین میمن

خطبات

کتاب ''خطبات مدراس'' علامہ سید سلیمان ندوی کے ہندستان کے شہر مدراس میں ''سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' پر دیے گئے خطبات کا مجموعہ ہے۔ اس میں آٹھ خطبات ہیں۔ پہلے خطبے کا عنوان ''انسانیت کی تکمیل'' ہے اور آخری خطبے کا عنوان ''پیغامِ محمدیؐ'' ہے۔

کتاب ''خطبات بہاول پور'' ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بہاول پور میں دیے گئے خطبات کا مجموعہ ہے۔ اس میں بارہ خطبات ہیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ مستقل سفری ویزے پر فرانس کے شہر پیرس میں مقیم تھے اور علمی تحقیق میں مصروف رہتے تھے۔ وہ حکومتِ پاکستان کی دعوت پر آئے۔ انھوں نے یہ خطبات اسلامیہ یونی ورسٹی، بہاول پور میں دیے تھے۔ پہلا خطبہ تاریخ قرآن مجید سے متعلق ہے اور آخری خطبے کا عنوان ''تبلیغ اسلام اور غیر مسلموں سے برتاؤ'' ہے۔

۱۴-اگست، نزولِ وحی کا آغاز بھی

۱۴-اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان ایک علاحدہ آزاد ملک کی حیثیت سے اقوامِ عالم کی فہرست میں شامل ہوا۔ اس کے بانیوں میں قائداعظم محمد علی جناح کی سربراہی میں ہر وہ شخص شامل ہے، جس نے اس کی آزادی کے لیے محنت کی۔ اس دن اسلامی تاریخ ۲۷ رمضان المبارک تھی، جو لیلۃ القدر کی متوقع راتوں میں سے ایک رات تصور کی جاتی ہے۔ شہید حکیم محمد سعید ہر سال اپنی زندگی میں ۲۷ رمضان المبارک کو ہی یومِ آزادیِ پاکستان مناتے تھے۔

۱۴-اگست، اسلامی تاریخ میں بھی بہت اہمیت رکھتی ہے۔ ۱۴-اگست ۶۱۰ء کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر غارِ حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی تھی۔ اس وقت اللہ کے رسولؐ غارِ حرا میں عبادت اور غور و فکر میں مصروف تھے، جب حضرت جبرائیل علیہ السلام، آپؐ پر سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیات کی وحی لے کر آئے۔

(بحوالہ: ''پیغمبر اعظم و آخر'' از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، ''سیرۃ احمد مجتبیٰ'' از شاہ مصباح الدین شکیل اور ''آقا'' از ابدال بیلا)

یومِ آزادی

۱۴-اگست کو پوری پاکستانی قوم آزادی کا جشن مناتی ہے اور بانیانِ پاکستان سمیت اُن تمام شہداء (شہید کی جمع) کو یاد کرتی ہے، جن کو قربانیوں کے طفیل ہم آزادی وطن حاصل کرنے میں کام یاب ہوئے۔

۱۴-اگست ایک اور اسلامی ملک بحرین بھی آزاد ہوا، جو خلیج فارس کے ۳۵ چھوٹے بڑے جزائر پر مشتمل ہے۔ یہ خلیج فارس، جزیرہ نما قطر اور سعودی عرب کے درمیان واقع ہے۔ اس کا دارالحکومت ''مناما'' ہے۔ یہاں کی سرکاری زبان عربی ہے، جب کہ فارسی بھی بولی جاتی ہے۔ یہاں کا سکہ بحرینی دینار کہلاتا ہے۔

یومِ تشکر

قائداعظم محمد علی جناح پر ۲۶ جولائی ۱۹۴۳ء کو خاکسار تحریک کے کارکن محمد رفیق صابر نے قاتلانہ حملہ کیا۔ اس دوران قائداعظم کو معمولی خراشیں آئیں۔ قائداعظم کے قاتلانہ حملے میں بچ جانے کی خوشی میں آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے ۱۳-ستمبر ۱۹۴۳ء کو یومِ تشکر منایا گیا۔

۱۶- دسمبر ۱۹۷۱ء کو پاکستان میں ایک بڑا سانحہ ہوا۔ اس دن ہمارا ایک بازو مشرقی پاکستان ہم سے جدا ہو کر بنگلہ دیش بن گیا، اس کے ساتھ ہی ایک بڑا نقصان یہ ہوا کہ ہمارے نوے ہزار فوجی بھارت کی قید میں چلے گئے۔ بعد میں شملہ معاہدے کے تحت ان جنگی قیدیوں کی واپسی شروع ہوئی اور ۳ مئی ۱۹۷۴ء کو قیدیوں کو واپسی مکمل ہونے پر پوری پاکستانی قوم نے وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو کی ہدایت پر یومِ تشکر منایا۔

پاکستان کے طویل ترین ریڈیائی پروگرام

قیامِ پاکستان کے تیسرے سال ہی ۱۴- اگست ۱۹۵۰ء کو ریڈیو پاکستان کراچی نے معاشرتی مسائل اور ہلکی پھلکی گفتگو پر مبنی ایک دل چسپ پروگرام ''حامد میاں کے ہاں'' شروع کیا۔ بعد میں اسے ''حامد منزل'' کا نام دیا گیا۔ یہ پروگرام ۱۹۹۷ء تک نشر ہوتا رہا۔ اس طرح یہ پروگرام ۴۷ سال تک سنا جاتا رہا۔ اسے مختلف قلم کار تحریر کرتے تھے۔

ریڈیو پاکستان کا دوسرا طویل پروگرام ''تلقین شاہ'' تھا، جسے ریڈیو پاکستان لاہور سے مشہور ادیب اشفاق احمد پیش کرتے تھے۔ اس پروگرام میں تلقین شاہ کا کردار وہ خود ہی ادا کرتے تھے۔ یہ پروگرام ۱۹۶۳ء میں ''حسرت تعمیر'' کے نام سے شروع ہوا۔ اسے ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد تلقین شاہ کا نام دیا گیا۔ اسی دوران بھارتی احتجاج پر اسے کچھ عرصے کے لیے بند کرنا پڑا۔ اس کا آخری پروگرام جنوری ۲۰۰۴ء کے پہلے ہفتے میں نشر ہوا۔ اشفاق احمد کا انتقال ستمبر ۲۰۰۴ء کو ہوا۔ اس طرح یہ پروگرام ۴۱ سال تک نشر ہونے والا ریڈیو پاکستان کا دوسرا طویل پروگرام ہے۔

☆☆☆

نونہال خبر نامہ

س ف

طیارہ کار

''ولیلیم جیٹ'' دنیا کا پہلا ایسا طیارہ ہے، جو مکمل طور پر بجلی سے چلتا ہے اور ضرورت پڑنے پر اس کے پَر موڑ کر اسے کار کے طور پر بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ طیارہ جرمن کمپنی کے ایرو اسپیس انجینئروں نے بنایا ہے۔ اسے اُڑانے کے لیے رن وے کی بھی ضرورت نہیں۔ یہ طیارہ اُترتے وقت عام جہاز کی طرح دور سے ترچھا اُڑتا ہوا نہیں آتا، بلکہ ہیلی کاپٹر کی طرح اوپر سے سیدھا زمین پر اُتر سکتا ہے۔ اس جہاز میں فی الحال صرف دو افراد کے بیٹھنے کی گنجائش ہے اور وہ دونوں پائلٹس ہوں گے۔ اس کی رفتار ۲۵۰ سے لے کر ۳۰۰ میل فی گھنٹہ ہے۔ یہ جہاز ۹۸۰۰ فیٹ بلندی پر اُڑنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

دنیا کی سب سے بڑی چابی

دنیا بھر میں ''گینز بک آف ورلڈ رکارڈ'' میں نام درج کرانے کے لیے انوکھے اور مختلف کام کیے جاتے ہیں۔ شخصی رکارڈز کے علاوہ پورے ملک کی طرف سے بھی کوشش کی جاتی ہے۔ اب تک کئی ممالک مختلف انوکھے کام کر کے گینز بک آف ورلڈ رکارڈ میں اپنا نام درج کروا چکے ہیں۔ اسی مقصد کے لیے مشرقِ وسطیٰ کی ایک ریاست قطر نے دنیا کی سب سے بڑی چابی بنالی ہے۔ یہ چابی قطر میں ہونے والی ایک ثقافتی نمائش میں پیش کی گئی ہے۔ چابی سات میٹر لمبی اور تین میٹر چوڑی ہے۔ اس سے پہلے دنیا کی سب سے بڑی چابی بنانے کا رکارڈ قبرص کے پاس تھا، جو اس نے ۲۰۰۶ء میں قائم کیا تھا۔

☆

آیئے مصوری سیکھیں

غزالہ امام

مصوری کرتے وقت کوئی تصویر بنانے سے پہلے ذہن میں ایک خاکہ بنالیا جاتا ہے۔ مثلاً انڈے میں سے چوزہ نکلتے ہوئے دکھانا ہے تو پہلے انڈے کا ایک حصہ بنالیں (تصویر نمبر ایک)۔ اب یہ دیکھیں کہ چوزے کا سر انڈے سے کتنے فاصلے پر ہو (تصویر نمبر ۲)۔ یہ بنیادی کام ہوگیا۔ اب چوزے کی چونچ، آنکھ، بال اور پَر بنانا آسان ہوگیا۔ قریب ہی کچھ پھول پتیوں کی سجاوٹ کردیں۔ اسی طرح اپنی پسند سے مختلف تصاویر بنائی جاسکتی ہیں۔ ☆

غریبوں کے ہمدرد

انوار آس محمد

کاظمی صاحب ایک کام یاب بزنس مین تھے۔ ساتھ ہی انھوں نے ایک ایسا ادارہ قائم کر رکھا تھا، جو غریبوں کی مدد کرتا تھا۔ کاظمی صاحب کا شمار شہر کی معزز شخصیات میں ہوتا تھا۔ اس دن کاظمی صاحب ایک سیمینار میں تقریر کر رہے تھے: ''بھائیو! ہمیں غریبوں کی مدد میں پیچھے نہیں رہنا چاہیے، ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیے، ہمیں ایک دوسرے کی عزت کرنی چاہیے، محنت کشوں کا خیال رکھنا چاہیے، ان کی قدر کرنی چاہیے۔''

لوگ کاظمی صاحب کی باتوں پر خوب تالیاں بجا رہے تھے اور وہ خوب مسکرا رہے تھے۔ شام کا وقت تھا۔ سیمینار ختم ہوا تو لوگوں نے ناشتا کیا، چاے پی اور اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

کاظمی صاحب جب اپنے گھر پہنچے تو ان کی بیگم اپنے دو پالتو کتوں کے ساتھ شام کی سیر کرنے جا رہی تھیں۔ ان کے دو ملازم بھی ساتھ تھے، جو کتوں کی خدمت پر مامور تھے۔ ان کی بیگم ملازموں سے کہہ رہی تھیں: ''کتوں کو کوئی تکلیف ہوئی تو تم دونوں کو نوکری سے نکال دوں گی۔ کل کی واک میں ریمبو (ان کا ایک کتا) سمندر کی ریت پر پھسل گیا تھا، آج ایسا نہ ہو سمجھے۔''

دونوں ملازم ڈرے، سہمے ان کی ہدایات سن رہے تھے۔

کاظمی صاحب نے یہ منظر دیکھا تو کہنے لگے: ''بیگم! تم نے ان دونوں کو سر چڑھا رکھا ہے۔ پتا ہے، یہ کتنے مہنگے کتے ہیں۔ کسی کتے کو خراش بھی آئی تو ان دونوں کی کھال اُتار دوں گا۔''

بیگم سیر کے لیے گھر سے باہر نکل گئیں اور کاظمی صاحب غریبوں کے حقوق کے لیے اپنی اگلی تقریر یاد کرنے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ ☆

کنویں کا راز

عبیرہ لطیف

''اب ہم واپس کیسے جائیں گے؟'' حماد کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''یہاں بھی کوئی ایسی چیز ہوگی، جو دیوار کو ہٹا دے گی۔'' وہ سب اُدھر اسی طرح کا سیاہ پتھر ٹارچ کی روشنی میں ڈھونڈنے لگے، مگر وہاں ایسا کوئی نشان نہیں تھا۔

''مرو، اب یہاں کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی۔'' حماد نے بھرّائے ہوئے لہجے میں کہا۔

پریشان تو وہ سب ہی ہو گئے تھے۔ سرنگ میں اب گھٹن کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ کافی دیر پتھر لیے دروازے سے زور آزمائی کرتے رہے، مگر انھیں کوئی کام یابی نہیں ہوئی۔

''ہمیں یہاں ٹھہرنے کے بجائے آگے راستہ تلاش کرنا چاہیے۔'' ابراہیم نے مشورہ دیا۔

''میں نہیں جاؤں گا، ابو اور دوسرے لوگ ہمیں ڈھونڈتے ہوئے آگئے تو ہم شور مچا کر انھیں بتا سکتے ہیں کہ ہم یہاں پھنس گئے ہیں۔'' حماد نے جواز پیش کیا۔

''انھیں کبھی خبر بھی نہیں ہوگی کہ کنویں کے اندر دروازے کے پیچھے کوئی خفیہ سرنگ بھی ہے۔ وہ اوپر سے جھانک کر ہی تسلی کرلیں گے کہ بچے اِدھر نہیں آئے اور واپس چلے جائیں گے۔'' جوزف نے کہا۔

سرنگ میں چمکتے پتھروں کی روشنی مدہم تھی، اس لیے انھوں نے ٹارچ جلائے رکھی۔ وہ سب آگے بڑھنے لگے۔ حماد بھی حوصلہ کر کے ان کے ساتھ ہولیا۔ وہاں اس کا اکیلا کھڑا رہنا بے کار تھا۔

جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہے تھے، گھٹن اور حبس کا احساس بھی بڑھ رہا تھا۔ سرنگ کی چھت پر بڑی بڑی مکڑیوں نے جالے بنا رکھے تھے۔ چلتے چلتے وہ تھک گئے، مگر راستہ ختم نہیں ہو رہا تھا۔

''حیرت ہے حبس اور گھٹن ہے، مگر سانس لینے میں کوئی دِقّت نہیں ہو رہی ہے۔'' ابراہیم نے حیرت سے کہا۔

''ہوسکتا ہے، کوئی ایسا میٹیریل یا پتھر استعمال ہوئے ہوں، جو دم گھٹنے سے بچاتے ہوں۔ سائنس نے اتنی ترقی کرلی، مگر آج تک اہرامِ مصر کے راز جان نہیں سکے کہ اتنے بڑے بڑے پتھروں کا اتنا بلند اہرام کیسے بنایا؟'' ذیشان نے تبصرہ کیا۔

جوزف ان سب سے آگے تھا۔ وہ اچانک رک گیا۔ اس کے پیچھے چلتے چلتے وہ سب بھی ٹھٹک کر رک گئے اور ان سب کا منھ کھلا رہ گیا۔ جب انھوں نے دیکھا کہ وہاں

درمیانی جسامت کا ایک بھورے رنگ کا سانپ گولائی میں سر نیچے کیے نظر آیا۔

''اس کو چھیڑے بغیر آہستہ سے اس کے پاس سے گزر جاؤ۔'' جوزف نے سرگوشی کی اور وہ سب دم سادھے خاموشی سے اس کے پاس سے گزر گئے۔ کافی دور آنے کے بعد انھوں نے شکر ادا کیا۔

''مجھے لگتا ہے، یہ سرنگ آہستہ آہستہ اونچائی کی طرف جا رہی ہے۔ چلتے چلتے اب میری سانس پھول رہی ہے۔'' ذیشان بولا۔

''ہاں یہ غیر محسوس طور پر آہستہ آہستہ اونچائی کی طرف بڑھ رہی ہے۔'' فراز بولا۔

''یہ کیا پتھر ہی پتھر قدموں میں آ رہے ہیں۔'' ابراہیم نے ایک چھوٹے سے پتھر پر پاؤں رکھا تو لڑکھڑا گیا تھا۔

اچانک حماد نے نیچے جھک کر ایک پتھر اُٹھایا اور حیرت سے بولا: ''یہ تو سونے کے پتھر ہیں۔''

''کیا.....'' وہ سب ایک دم ٹھٹک کر رک گئے اور پتھر اُٹھا اُٹھا کر دیکھنے لگے۔

''یہ تو واقعی سونے کے ہیں۔'' جوزف نے مسرت آمیز انداز میں چیختے ہوئے کہا۔

ابھی وہ اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ایک ایک پتھر کا جائزہ ہی لے رہے تھے کہ حماد چیخا: ''بھاگو، یہاں پر بچھو ہیں اور ایک دو نہیں بہت زیادہ ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے حماد نے بھاگنا شروع کر دیا اور ان سب کی نظریں بھی پتھروں میں رینگتے بچھوؤں پر پڑ گئی تھیں۔ وہ سب تیزی سے بھاگنے لگے۔

کافی دیر بھاگنے کے بعد اچانک وہ سب رک گئے۔ سرنگ کا دوسرا سرا نظر آ رہا تھا۔ ان کے منھ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ آگے ایک بہت بڑا ہال تھا اور اس کی چھت بہت اونچی اور کافی بوسیدہ تھی۔ چھت کی درزوں میں سے سورج کی کرنیں اندر آ رہی تھیں۔ وہاں عجیب سی بساندِ آ رہی تھی۔

''مجھے لگتا ہے کہ ہم قلعے کے کھنڈرات میں آ گئے ہیں۔'' حماد کو کچھ تسلی ہوئی۔

''مگر ہم یہاں سے باہر کیسے نکلیں گے؟'' ذیشان پریشانی سے بولا۔

''یہاں تو نہ کوئی دروازہ ہے نہ کوئی راستہ۔'' فراز کو پھر سے گھبراہٹ ہونے لگی۔

وہ ہال چاروں طرف سے بند تھا نہ کوئی روشن دان تھا، نہ کوئی کھڑکی تھی۔

''اس میں بھی یقیناً کوئی خفیہ راستہ ہوگا، اسی لیے دروازہ نہیں رکھا گیا۔'' ابراہیم نے غور سے جائزہ لینے کے بعد کہا۔

''مگر ہم وہ خفیہ راستہ کیسے ڈھونڈیں گے؟'' حماد جھنجلا کر بولا۔

''اب تو سب لوگ ہمیں ڈھونڈ رہے ہوں گے۔ چار بج چکے ہیں۔'' حماد کو نئی پریشانی لاحق ہوئی۔

وہ پانچوں کافی دیر تک وہاں گھوم پھر کر وہ خفیہ راستہ ڈھونڈتے رہے، مگر کافی

تلاش کے بعد بھی ناکامی پر وہ تھک ہار کر وہاں بیٹھ گئے۔ انھیں اب بھوک پیاس بھی ستا رہی تھی اور وہاں سے نہ نکلنے کا خدشہ بھی ستا رہا تھا۔

''دیکھو دوستو! تمھیں وہ واقعہ یاد ہے ناں جب تین مسافر آندھی طوفان میں ایک غار میں پھنس گئے تھے اور غار کے دہانے پر ایک بہت بڑا پتھر گر گیا تھا۔ اس وقت انھوں نے اپنی اپنی نیکیاں یاد کر کے اللہ سے دعا مانگی تھی تو ان کی غائبانہ مدد ہوئی تھی۔ دعا مانگ کر انھوں نے زور لگایا تو پتھر ہٹ گیا تھا۔ اگر اللہ نے ہماری جان بچا کر ہمیں یہاں تک پہنچا دیا ہے تو ہم اِدھر سے بھی نکل جائیں گے۔ بس دعا مانگو۔'' ابراہیم نے تسلی دینے والے انداز میں چھوٹی سی تقریر کی، کیوں کہ وہ سب بہت اُداس، پریشان اور مایوس بیٹھے تھے۔

''ہمارے شہروں میں گنجان آبادی کی وجہ سے گھروں کے پھیلاؤ اور درختوں کے کٹاؤ کی وجہ سے اور ٹریفک کے دھوئیں سے معصوم پرندے بے حال رہتے ہیں۔ انھیں پانی بھی نہیں ملتا، اس لیے میں روز صبح شام دو کٹوریوں میں پانی بھر کر اپنی چھت پر رکھتا ہوں اور پرندوں کو دانہ بھی ڈالتا ہوں۔ شاید یہ میری چھوٹی سی نیکی قبول ہو جائے۔'' فراز نے بتایا۔

فراز کے بعد جوزف نے بولنا شروع کیا: ''ہمارے چرچ کے پیچھے غریب لوگوں کی چھوٹی سی آبادی ہے۔ جب ہم وہاں سے گزر کر اسکول جاتے تھے تو ان کے میلے کچیلے کم زور سے بچے بڑی حسرت اور دکھ سے ہمیں دیکھا کرتے تھے۔ جیسے وہ بھی اسکول جانا چاہتے ہوں، پڑھنا چاہتے ہوں، مگر بے بس ہوں۔ میں اور میرے محلے کے تین چار لڑکے مل کر نئی کلاسوں کے طالب علموں سے پرانے سال کی کتابیں جمع کرتے ہیں اور ان بچوں کو جا کر دیتے ہیں۔ ان بچوں کے والدین سے اجازت لے کر اب ہم روز شام کو وقت نکال کر ایک ایک گھنٹہ انھیں پڑھاتے بھی ہیں۔ وہ ہمارے کھیلنے کا وقت ہوتا ہے، مگر

ہم اسے کھیل میں ضائع نہیں کرتے، ایک اچھے مقصد میں لگاتے ہیں۔ شاید خداوند کو ہماری یہ نیکی پسند آ جائے۔''

فراز، ذیشان ابراہیم اور حماد بڑی حیرانی سے جوزف کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں ستائش تھی۔ اتنی اچھی دوستی کے باوجود زندگی کے یہ پہلو ایک دوسرے سے چھپے ہوئے تھے یا چھپائے گئے تھے۔

''ہمارے گھروں کے پاس ایک بزرگ میاں بیوی رہتے ہیں۔ وہ ہمارے ہمسائے بھی ہیں اور محلے دار بھی ہیں۔ وہ بے اولاد ہیں، یعنی ان کا کوئی سہارا نہیں ہے۔ ان کے گھر کا سودا سلف، بل اور دوا وغیرہ لا کر دینے کے سارے کام میں کرتا ہوں۔ اگر ان کا بیٹا ہوتا تو شاید وہ کرتا۔ وہ لوگ مجھ سے بہت خوش ہیں اور مجھے اپنا بیٹا ہی سمجھتے ہیں۔ یہ بھی نیکی ہے۔'' ذیشان نے آہستگی سے بتایا۔

ابراہیم نے بتانا شروع کیا: ''تم لوگ مجھے کنجوس سمجھتے ہو ناں! میں اپنی پاکٹ منی بہت کم خرچ کرتا ہوں۔ کینٹین میں بھی بہت کم چیزیں لیتا ہوں۔'' وہ کچھ دیر خاموش رہا۔ سب منتظر نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''میں ان پیسوں کے جوتے خریدتا ہوں۔''

''کیا......؟'' ان سب کے منھ سے بے ساختہ نکلا۔ وہ سب حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''میں ایک دفعہ سخت گرمی میں اکیڈمی سے گھر جا رہا تھا۔ راستے میں میرا جوتا ٹوٹ گیا۔ مجھے ننگے پاؤں چلچلاتی دھوپ میں تپتی سڑک پر چل کر گھر آنا پڑا تو مجھے احساس ہوا کہ یہ جو ننگے پاؤں بھیک مانگتے بچے، کوڑا کرکٹ اکٹھا کرنے والے، غبارے بیچنے والے اکثر ننگے پاؤں یا ٹوٹے ہوئے جوتے پہنے ہوتے ہیں، وہ کیسی تکلیف سے گزرتے ہوں

گے۔اب میں ان کے لیے جوتے خریدتا ہوں۔ میرا بیگ بھی اسی لیے اتنا بڑا ہے۔ میں اس میں ہمیشہ ایک نیا جوتا خرید کر رکھتا ہوں۔ جہاں ننگے پاؤں یا ٹوٹی چپل میں کوئی غریب بچہ نظر آجائے، اس کو وہ جوتا پہنا دیتا ہوں۔ تم لوگ ہمیشہ میرے بیگ کا بھی مذاق اُڑاتے ہو۔ میں ہمیشہ ہنس کر ٹال جاتا تھا۔'' ابراہیم نے کہا۔

''اُف۔'اچانک جوزف اُچھلا۔

''کیا ہوا؟'' ابراہیم نے پوچھا۔ وہ سمجھا اس کی کہانی سن کر چونکا ہے۔

''میرے ہاتھ پر موٹے سیاہ چیونٹے نے کاٹا ہے۔'' جوزف کھسیا کر بولا تو وہ سب ہنس پڑے۔ وہاں زمین پر موٹے سیاہ چیونٹوں کا شاید گھر تھا۔

اب وہ سب حماد کو دیکھنے لگے، اب اس کی باری تھی۔

حماد شرمندہ شرمندہ سا بیٹھا ان سب کو دیکھ رہا تھا: ''مجھے تو اپنی کوئی ایسی نیکی یاد نہیں آرہی جو میں نے مستقل کی ہو یا کبھی کبھار ہی کی ہو۔'' اس نے اٹک اٹک کر افسوس سے کہا: ''ہاں، مگر گناہ سے بچنا بھی تو ایک نیکی ہے۔ شیطان کے آگے سر کو نہ جھکانا بھی تو جہاد ہے، ایک دفعہ نائن کلاس میں ٹیسٹوں میں میرے نمبر بہت کم آئے تھے تو میرا جیب خرچ بند ہو گیا۔ امی ابو سخت ناراض تھے۔ ان دنوں گراؤنڈ میں کھیلتے ہوئے میرا بیٹ ٹوٹ گیا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ امی پیسے دیں تو میں نیا بیٹ خرید لوں۔ اگلے دن ہمارا مخالف ٹیم سے فائنل میچ تھا، مگر امی نے پیسے نہیں دیے۔ دادا ابو کے پاس گیا تو وہ کہیں شہر سے باہر گئے ہوئے تھے، مگر ان کے کمرے کی الماری کے دراز میں مجھے بہت سے پیسے ملے۔ مجھے شیطان نے بہت بہکایا کہ اتنے پیسوں میں سے تھوڑے سے لے لوں گا تو کون سا کسی کو پتا چلے گا، مگر دل نے کہا کہ یہ تو چوری ہو جائے گی۔ اللہ میاں تو دیکھ رہے ہیں ناں۔ تو میں اس بہکاوے میں نہیں آیا اور میں نے اپنا فائنل میچ چھوڑ دیا، مگر چوری نہیں

کی۔'' حماد نے بتایا۔

سب نے حماد کے لیے تالیاں بجائیں، کیوں کہ وہ شرمندہ سا بتا رہا تھا۔ سب کے اتنے اچھے کاموں کے آگے اسے یہ بہت معمولی بات نظر آرہی تھی، مگر دوستوں کی تالیوں نے بتایا کہ یہ اتنا معمولی کام نہیں ہے، بلکہ شیطان کے آگے سر جھکا دینا بُرا کام ہے۔

''اُف میرے خدا۔'' حماد اُچھلا۔ اس کے کندھے پر لٹکتا چچا نور دین کا تھیلا نیچے گرا۔ اس کے کپڑوں پر بھی موٹے سیاہ چیونٹے رینگ رہے تھے۔ وہ اُچھل اُچھل کر ہاتھوں سے جھٹک جھٹک کر اُتار رہا تھا، بلکہ وہ چیونٹے ان سب کے اوپر چڑھ گئے تھے۔

''یہ کیا اب نئی مصیبت آگئی۔'' ذیشان جھنجلایا۔

''یہ ان کا گھر ہے اور انھیں اپنی سلطنت میں ہماری مداخلت پسند نہیں آئی۔'' جوزف مسکرا کر بولا۔

حماد، چاچا نور دین کے تھیلے سے گرنے والے سامان کو اِکھٹا کرنے لگا۔ یہ ٹیوب ویل کو ٹھیک کرنے والے اوزار تھے۔ ان میں ایک ہتھوڑی بھی تھی۔

ابراہیم نے لپک کر وہ ہتھوڑی اُٹھائی: ''یہ ہے غیبی مدد۔'' وہ مسکرایا: ''ہم اس ہال کی اس بوسیدہ خستہ ہال دیوار کو توڑ سکتے ہیں۔'' ابراہیم نے سامنے والی دیوار کی طرف اشارہ کیا۔ اس کی مسلسل ضربوں سے آخر دیوار ٹوٹ گئی تھی اور اتنا راستہ بن گیا کہ وہ سب وہاں سے باہر نکل آئے۔ اس وقت شام ہو رہی تھی۔ سورج غروب ہونے والا تھا۔ وہ سب باہر نکلتے ہی سجدے میں گر گئے اور اپنی جانیں بچ جانے پر اللہ کا شکر ادا کیا۔

جب وہ کھنڈرات سے نیچے اُترنے لگے تو ابراہیم کی سرگوشی پر سب ٹھٹک کر رک

گئے: ''وہ ایک ایک سونے کا پتھر جو ہم نے اُٹھایا تھا، وہ تمھاری جیبوں میں ہے ناں؟''

سب نے ہاں میں سر ہلایا۔

''آج سب یہاں وعدہ کرو، جب ہم پڑھ لکھ کر کسی مقام پر پہنچ جائیں گے تب ان کو بیچ کر کسی اچھے مقصد کے لیے استعمال کریں گے۔ اس وقت تک ان کو چھپا کر رکھیں گے۔ اس کنویں کا راز ہم سب کے درمیان ہی رہے گا۔ اس نے ہاتھ آگے کیا اور سب نے اس کے ہاتھ پر اپنے ہاتھ رکھ کر وعدہ کیا۔

جب وہ کھنڈرات سے نیچے اُترے تو ایک بوڑھا آدمی اپنی بھیڑوں کو ہانکتا ہوا وہاں سے گزر رہا تھا۔ ان سب نے اسے سلام کیا۔

بوڑھے آدمی نے نظریں اُٹھائیں۔ سلام کا جواب دیا اور بڑبڑاتا ہوا بھیڑوں کو لے کر چل پڑا: ''پتھر کام نہیں آتے، نیکیاں کام آتی ہیں یاد رکھنا نیکیاں کام آتی ہیں۔''

وہ سب حیران کھڑے رہ گئے۔ وہ بوڑھا آدمی دیکھتے ہی دیکھتے بھیڑوں کو لے کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

حماد نے کہا: ''اللہ نے ہم پر بہت کرم کیا ہے، ہم ان شا اللہ اپنے وعدے پر قائم رہیں گے۔''

سب نے اقرار میں سر ہلا دیا۔

وہ سب حماد کے گھر کی طرف چل پڑے، جہاں ایک زبردست ڈانٹ ان کی منتظر تھی، مگر وہ پھر بھی بہت خوش تھے۔

☆☆☆

صرف ایک منٹ

محمد حسنات حمید

''ایک منٹ ٹھیریں۔'' یہ فقرہ ہم اپنی گفتگو کے دوران اکثر استعمال کرتے ہیں، لیکن ہم نے آج تک ایک منٹ یعنی ساٹھ سیکنڈ میں ہونے والے کاموں پر غور نہیں کیا۔ ان ساٹھ سیکنڈوں میں دنیا میں کیا کیا ہوتا ہے۔ ہماری نظر میں ایک منٹ کی کوئی اہمیت نہیں ہے، مگر جب ہم غور کرتے ہیں تو احساس ہوتا ہے کہ ایک منٹ میں انسان بہت کچھ کر سکتا ہے۔

☆ وہ ایک منٹ میں تقریباً دو سو میٹر تک چل سکتا ہے اور چار سو میٹر تک دوڑ سکتا ہے۔

☆ ایک سو پچاس الفاظ بول سکتا ہے، چالیس الفاظ لکھ سکتا ہے اور تین سو سے زائد الفاظ سمجھ کر پڑھ سکتا ہے۔

☆ انسان چھے سو مکعب سینٹی میٹر ہوا اپنے پھیپھڑوں کے اندر لے جا کر باہر نکال سکتا ہے۔

☆ انسان کا دل تقریباً ساڑھے چھے کلو خون رگوں کے ذریعے سے جسم کے کونے کونے میں بھیج دیتا ہے، جو چکر لگا کر دل میں واپس آ جاتا ہے۔ صحت مند انسان کا دل ایک منٹ میں ۷۲ بار دھڑکتا ہے اور انسان اٹھارہ مرتبہ سانس لیتا ہے۔

☆ زمین ایک منٹ میں اپنے محور کے گرد ۷۵ کلومیٹر کا چکر لگاتی ہے۔

☆ دنیا میں ۳۵۰ مکعب میٹر بارش ہوتی ہے، جب کہ اسی عرصے میں سمندر پینتیس ہزار ٹن پانی دریاؤں سے حاصل کرتے ہیں۔

☆ دنیا کی آبادی میں ایک سو انسانوں کی موت ہوتی ہے اور ایک سو چودہ بچے پیدا

ہوتے ہیں۔

☆ ایک کروڑ سے زیادہ سگرٹ پیے جاتے ہیں۔

☆ ایک لاکھ پچاس ہزار اخبارات فروخت ہوتے ہیں۔

☆ دو لاکھ دس ہزار موبائل فون کیے جاتے ہیں۔

☆ انسان لاکھوں گیلن پانی پی جاتا ہے اور ہزاروں ٹن خوراک کھائی جاتی ہے۔

☆ کانوں سے ٹنوں کے حساب سے کوئلا نکالا جاتا ہے۔

☆ سات سو ٹن فولاد بنایا جاتا ہے۔

☆ ہزاروں نئے جوتے بنتے ہیں اور سیکڑوں نئی کاریں بنتی ہیں۔

☆ کرۂ ارض پر اڑتیس طوفانی گرد باد آتے ہیں۔

یہ سب کچھ صرف ساٹھ سیکنڈ یعنی ایک منٹ میں ہوتا ہے۔ ہم اس ایک منٹ کی قدر نہیں کرتے۔ اگر ہم ایک منٹ کی قدر کرنا شروع کر دیں تو گھنٹوں کا وقت بچا کر کسی مفید کام میں استعمال کر سکتے ہیں۔

☆☆☆

ای-میل کے ذریعے سے

ای-میل کے ذریعے سے خط وغیرہ بھیجنے والے اپنی تحریر اردو (ان پیج نستعلیق) میں ٹائپ کر کے بھیجا کریں اور ساتھ ہی ڈاک کا مکمل پتا اور ٹیلے فون نمبر بھی ضرور لکھیں، تا کہ جواب دینے اور رابطہ کرنے میں آسانی ہو۔ اس کے بغیر ہمارے لیے جواب ممکن نہ ہوگا۔

hfp@hamdardfoundation.org

ہنسی گھر

😊 ایک دیہاتی شہر گیا تو وہاں پر ڈینگی مچھروں سے بچنے کے لیے اشتہارات دیوار پر لگے دیکھے، جن پر مچھروں کی تصویریں تھیں۔ گاؤں آیا تو لوگوں کو بتایا: ''آپ کو تو کچھ خبر نہیں۔ میں شہر گیا تھا۔ وہاں تو مچھر بھی الیکشن لڑ رہے ہیں۔''

مرسلہ: محمد احمد غزنوی، میرہ گرہ

😊 ایک ملازم نے اپنے دفتری ساتھی سے کہا: ''تین دن کی مسلسل غیر حاضری کی وجہ سے منیجر نے آج مجھے ملازمت سے نکال دیا ہے۔''

ساتھی نے کہا: ''تم تو بڑے احمق ہو۔ کہہ دیتے کہ میرے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔''

''کیسے کہہ دیتا۔ منیجر صاحب ہی تو میرے والد ہیں۔'' اس نے افسردہ لہجے میں کہا۔

مرسلہ: روبینہ ناز، کراچی

😊 ایک ماہر نفسیات بہت زور و شور سے اپنی خوبیاں بیان کر رہے تھے: ''میں کسی بھی شخص پر صرف ایک نظر ڈال کر یہ بتا سکتا ہوں کہ وہ میرے بارے میں کیا سوچ رہا ہے۔''

ایک آدمی بولا: ''یہ جان کر آپ کو تو بڑی شرمندگی ہوتی ہوگی۔''

مرسلہ: ثروت جہاں، اوتھل

😊 علی: ''ابو! کل ہم امیر ہو جائیں گے۔''

ابو: ''وہ کیسے؟''

علی: ''کل ہمارے حساب کے ماسٹر صاحب پیسوں کے روپے بنانے کا طریقہ بتائیں گے۔''

مرسلہ: حدیقہ ناز، اوتھل

😊 ڈاکٹر مریض سے: ''آپ کو کیا تکلیف ہے؟''

مریض: ''صبح سو کر اُٹھتا ہوں تو آدھے گھنٹے تک سر چکراتا رہتا ہے۔''

ڈاکٹر: ''کل سے آپ آدھے گھنٹے بعد سو کر اُٹھا کریں۔''

مرسلہ: خوش بخت خان، ہری پور

😊 باپ: ''بیٹا! آج امی اتنی خاموش کیوں بیٹھیں ہیں؟''

بیٹا: ''کچھ نہیں بجلی نہیں تھی۔ انھوں نے لپ اسٹک مانگی، میں نے ایلفی دے دی، شاید ناراض ہو گئیں ہیں۔''

مرسلہ : ناعمہ ذوالفقار، کراچی

☺ ایک آدمی رات کے وقت سائیکل لے کر قبرستان میں گھس گیا اور جب باہر نکلا تو پسینا پونچھ کر بولا: ''یا خدایا! یہ کون سا روڈ تھا، جس میں اتنے قریب قریب اسپیڈ بریکر بنے ہوئے تھے۔''

مرسلہ : فاطمہ پرنس، ٹوبہ ٹیک سنگھ

☺ دو کاروں میں ٹکر ہو گئی۔ ایک کار والے نے دوسرے سے کہا: ''میں نے کار کی لائٹس سے آپ کو اشارہ دیا تھا کہ پہلے مجھے نکل جانے دو۔''

دوسری کار والا بولا: ''میں نے بھی وائپر چلا کر انکار کر دیا تھا کہ پہلے مجھے نکلنے دو۔''

مرسلہ : فاروق، کراچی

☺ ایک فلسفی نے اپنے دوست ماہر نفسیات سے کہا: ''الفاظ مر چکے ہیں۔ اب کسی لفظ کا کسی پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔''

دوست بولا: ''جو لوگ یہ سمجھتے ہیں وہ بے وقوف ہیں، نالائق ہیں، جاہل ہیں۔''

فلسفی زور سے چیخا: ''بکواس بند کرو، ورنہ تمھارا منھ توڑ دوں گا۔''

''دیکھا لفظوں کا اثر۔'' ماہر نفسیات نے جواب دیا۔

مرسلہ : اسامہ ظفر راجا، مری

☺ ٹیچر (شاگرد سے): ''تم اسکول تاخیر سے کیوں آئے ہو؟''

شاگرد: ''میرے ابو اسپتال میں ہیں۔''

ٹیچر: ''اچھا، بیٹھ جاؤ۔''

کچھ دن بعد ٹیچر نے شاگرد کو اسپتال میں دیکھا تو پوچھا: ''تمھارے ابو ابھی تک اسپتال میں ہیں؟''

شاگرد شرماتے ہوئے بولا: ''جی وہ اس اسپتال میں ڈاکٹر ہیں۔''

مرسلہ : عمیر بن حزب اللہ بلوچ، حیدر آباد

☺ ایک صاحب نے گانے والی مینا خریدی۔ گھر جا کر دیکھا تو وہ لنگڑی نکلی۔ اُلٹے پاؤں دکان دار کے پاس گئے اور بہت

خفا ہوئے کہ منھ مانگے دام لیے اور دھوکا دیا۔

دکان دار نے سنجیدگی سے کہا: ''جناب! آپ کو گانے والی مینا چاہیے یا ناچنے والی؟''

مرسلہ : کومل فاطمہ اللہ بخش، لیاری

☺ ارحم (اپنے دوست سے): ''رات ایک آدمی نے چاقو دکھا کر میرا موبائل فون چھین لیا۔''

دوست: ''لیکن تم تو ہمیشہ اپنے ساتھ چاقو رکھتے ہو۔''

ارحم: ''ہاں، وہ میں نے چھپا لیا تھا، ورنہ وہ بھی چھین لیتا۔''

مرسلہ : شیر دنیہ ثناء، حیدر آباد

☺ ایک ڈاکٹر مریض کو دیکھنے گیا تو مریض نے مسکراتے ہوئے استقبال کیا۔ ڈاکٹر نے کہا: ''آج تو آپ بہت بہتر نظر آ رہے ہیں۔''

''جی ہاں دراصل میں نے دوا کی شیشی پر لکھی ہوئی ہدایت پر سختی سے عمل کیا۔'' مریض نے جواب دیا۔

''کون سی ہدایت؟'' ڈاکٹر نے حیران ہو کر پوچھا۔

مریض بولا: ''شیشی پر لکھا ہوا تھا کہ ڈھکنے کو مضبوطی سے بند رکھیں۔''

مرسلہ : بلال مجید، ٹوبہ ٹیک سنگھ

☺ دو ہم شکل جڑواں بھائی ایک کمرے میں بیٹھے تھے۔ ایک رو رہا تھا۔ دوسرا ہنس رہا تھا۔ باپ نے اندر آ کر پوچھا: ''بچو! کیا ہوا؟''

ہنسنے والے نے رونے والے بھائی کی طرف اشارہ کیا: ''آج امی نے دونوں مرتبہ آصف ہی کو نہلا دیا ہے۔''

مرسلہ : عمران پٹھان، تیمرگرہ

☺ ایک بزرگ کو پوسٹر پڑھنے کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ ایک مرتبہ وہ بازار میں دکانوں کے بورڈ اور دیواروں پر لگے پوسٹر پڑھتے ہوئے گزر رہے تھے کہ اچانک ان کی نظر بجلی کے کھمبے پر لگے چھوٹے سے پوسٹر پر پڑی جو بہت اونچا لگا ہوا تھا۔ ان کی طبیعت مچل گئی، اشتہار پڑھنے کے شوق میں وہ کھمبے پر چڑھ گئے۔ پوسٹر پر لکھا تھا: ''اس کھمبے میں اکثر کرنٹ آ جاتا ہے، اوپر چڑھنے کی کوشش نہ کریں۔''

مرسلہ : محمد زبیر میلوانہ، لیہ

معلومات افزا

سلیم فرخی

معلومات افزا کے سلسلے میں حسبِ معمول ۱۶ سوالات دیے جا رہے ہیں۔ سوالوں کے سامنے تین جوابات بھی لکھے ہیں، جن میں سے کوئی ایک صحیح ہے۔ کم سے کم گیارہ صحیح جوابات دینے والے نونہال انعام کے مستحق ہو سکتے ہیں، لیکن انعام کے لیے سولہ صحیح جوابات بھیجنے والے نونہالوں کو ترجیح دی جائے گی۔ اگر ۱۶ صحیح جوابات دینے والے نونہال ۱۵ سے زیادہ ہوئے تو پندرہ نام قرعہ اندازی کے ذریعے سے نکالے جائیں گے۔ قرعہ اندازی میں شامل ہونے والے باقی نونہالوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ گیارہ سے کم صحیح جوابات دینے والوں کے نام شائع نہیں کیے جائیں گے۔ کوشش کریں کہ زیادہ سے زیادہ صحیح جوابات دے کر انعام میں ایک اچھی سی کتاب حاصل کریں۔ صرف جوابات (سوالات نہ لکھیں) صاف صاف لکھ کر کوپن کے ساتھ اس طرح بھیجیں کہ ۱۸-اگست ۲۰۱۶ء تک ہمیں مل جائیں۔ کوپن کے علاوہ علاحدہ کاغذ پر بھی اپنا مکمل نام پتا اردو میں بہت صاف لکھیں۔ ادارۂ ہمدرد کے ملازمین / کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔ ☆

۱۔ حضرت موسیٰؑ کے والد کا نام .... تھا۔ (فرقان - عمران - عدنان)

۲۔ میزبانِ رسول اللہؐ، حضرت .... کو کہا جاتا ہے۔ (ابوذر غفاریؓ - ابوعبیدہ عامرؓ - ابوایوب انصاریؓ)

۳۔ ''اکالی دل'' بھارت میں رہنے والے .... کی سب سے بڑی جماعت ہے۔ (بدھوں - سکھوں - ہندوؤں)

۴۔ پانی پت کی .... لڑائی احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں کے درمیان ہوئی تھی۔ (پہلی - دوسری - تیسری)

۵۔ ہندستان کے ایک علاقے اودھ کے آخری حکمراں .... تھے۔ (نواب آصف الدولہ - نواب سراج الدولہ - نواب واجد علی شاہ)

۶۔ ممتاز صحافی مولوی محبوب عالم نے .... جاری کیا تھا۔ (البلاغ - پیسہ اخبار - ہمدم)

۷۔ صوبہ پنجاب کے پہلے وزیرِ اعلا .... تھے۔ (محمد ایوب کھوڑو - خان عبدالقیوم خان - خان افتخار حسین ممدوٹ)

۵۔ والی بال کے کھیل میں ایک ٹیم میں .... کھلاڑی ہوتے ہیں۔ (پانچ - چھے - سات)

۹۔ دنیا کے نقشے پر وہ فرضی خط یا دائرہ جو قطبین کو حصوں میں تقسیم کرتا ہے، اسے .... کہتے ہیں۔ (خطِ جدی - خطِ سرطان - خطِ استوا)

۱۰۔ شمالی امریکا کے ایک ملک پاناما کا سکہ .... کہلاتا ہے۔ (کروزر - بالبوآ - زلوئی)

۱۱۔ کینبرا (CANBERA) دولتِ مشترکہ .... کا دارالحکومت ہے۔ (جرمنی - آسٹریلیا - کیوبا)

۱۲۔ ''کبیر'' کا مطلب بڑا، بزرگ یا سردار ہے اور اس کی جمع .... ہے۔ (کبرا - کمبری - کبار)

۱۳۔ مشہور شاعر ساحر لدھیانوی کا اصل نام .... تھا۔ (عبدالحق - عبدالحی - عبدالباقی)

۱۴۔ محمد مارماڈیوک پکتھال نے قرآن پاک کا .... زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ (جرمن - رشین - انگریزی)

۱۵۔ اردو زبان کا ایک محاورہ ہے: ''دل .... کر رہ جانا۔'' (ملنا - مسوس - پھینک)

۱۶۔ خاطر غزنوی کے اس شعر کا دوسرا مصرع مکمل کیجیے:

گو ذرا سی بات پر برسوں کے یارانے گئے
لیکن اتنا تو ہوا، کچھ .... پہچانے گئے
(دوست - احباب - لوگ)

کوپن برائے معلوماتِ افزا نمبر ۲۴۸ (اگست ۲۰۱۶ء)

نام: ....

پتا: ....

....

....

کوپن پر صاف صاف نام، پتا لکھیے اور اپنے جوابات (سوال نہ لکھیں، صرف جواب لکھیں) کے ساتھ لفافے میں ڈال کر دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۷۴۶۰۰ کے پتے پر اس طرح بھیجیں کہ ۱۸-اگست ۲۰۱۶ء تک ہمیں مل جائیں۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام لکھیں اور صاف لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر جوابات کے صفحے پر چپکا دیں۔

کوپن برائے بلا عنوان انعامی کہانی (اگست ۲۰۱۶ء)

عنوان: ....

نام: ....

پتا: ....

....

....

یہ کوپن اس طرح بھیجیں کہ ۱۸-اگست ۲۰۱۶ء تک دفتر پہنچ جائے۔ بعد میں آنے والے کوپن قبول نہیں کیے جائیں گے۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام اور ایک ہی عنوان لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر کاپی سائز کے کاغذ پر درمیان میں چپکائیے۔

نونہال ادب کی دل چسپ کتابیں

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان کا شعبہ نونہال ادب نونہالوں کے لیے دل چسپ اور سبق آموز کہانیاں اور معلوماتی کتابیں شائع کرتا ہے۔ان کی قیمتیں بہت کم رکھی جاتی ہیں۔نونہال یہ کتابیں پڑھ کر ان سے سبق بھی حاصل کرتے ہیں۔ فرصت کے وقت مفید کتابیں پڑھیے اور معلومات بڑھائیے۔

نام کتاب	مصنف/مرتب	قیمت
سورۂ رحمٰن	بیت الحکمہ	۴۰ رُپے
پارہ عم (مکمل)	بیت الحکمہ	۱۴۰ رُپے
سب سے بڑے انسان ﷺ (اردو)	حکیم محمد سعید	۵۰ رُپے
سب سے بڑے انسان ﷺ (پشتو ترجمہ)	حکیم محمد سعید	۷ رُپے
سب سے بڑے انسان ﷺ (گجراتی ترجمہ)	حکیم محمد سعید	۶ رُپے
سب سے بڑے انسان ﷺ (سندھی ترجمہ)	حکیم محمد سعید	۴ رُپے
سب سے بڑے انسان ﷺ (پنجابی ترجمہ)	حکیم محمد سعید	۷ رُپے
نونہال دینیات (آٹھ کتابوں کا مکمل سیٹ)	حکیم محمد سعید	۱۶۵ رُپے
نقوشِ سیرت (پانچ کتابوں کا سیٹ)	حکیم محمد سعید	۱۵۰ رُپے
نقوشِ سیرت (پانچ کتابوں کا سیٹ سندھی میں)	حکیم محمد سعید	۴۰ رُپے
کتابِ دوستاں	حکیم محمد سعید	۵۰ رُپے
تلاشِ امن	حکیم محمد سعید	۲۰ رُپے
سعید سپون (سندھی ترجمہ)	مسعود احمد برکاتی/محبوب بلوچ	۸۰ رُپے
خوب سیرت (مکمل سیٹ)	حکیم محمد سعید	۷۵ رُپے
اُمت کی مائیں	حسین حسنی	۴۰ رُپے
رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیاں	مولانا فضل القدیر ندوی	۴۵ رُپے
قرآنی کہانی حضرت یوسفؑ	پروفیسر نصیر احمد	۳۰ رُپے
عربی زبان کے دس سبق	مولانا فضل القدیر ندوی	۷۵ رُپے
اسلام کیسے شروع ہوا	عبدالواحد سندھی	۹۰ رُپے
پیغامِ اسلام	پروفیسر کرم حیدری	۳۰ رُپے
صحت اور درس گاہ	حکیم محمد سعید	۲۰ رُپے
آج کا پاکستان شہید حکیم محمد سعید کی نظر میں	مسعود احمد برکاتی	۴۰ رُپے
سپہ سالار جمہوریہ پاکستان مدینۃ الحکمہ میں	حکیم محمد سعید	۱۵ رُپے
قائدہ صحت رنگین آرٹ پیپر	حکیم محمد سعید	۱۰۰ رُپے
پلوں کی کہانی	فرید الدین احمد	۲۰ رُپے
کمپیوٹر کیا ہے (سندھی)	حکیم نعیم الدین زبیری	۲۵ رُپے

نونہال بک کلب

کلب کے ممبر بنیں اور اپنی ذاتی لائبریری بنائیں بس ایک سادہ کاغذ پر اپنا نام، پورا پتا صاف صاف لکھ کر ہمیں بھیج دیں۔ ممبر بننے کی کوئی فیس نہیں ہے ہم آپ کو ممبر بنالیں گے اور ممبر شپ کارڈ کے ساتھ کتابوں کی فہرست بھی بھیج دیں گے۔ ممبر شپ کارڈ کا نمبر لکھ کر آپ نونہال ادب کی کتابوں کی خریداری پر ۲۵ فی صد رعایت حاصل کر سکتے ہیں ان کتابوں سے لائبریری بنائیں اور علم کی روشنی پھیلائیں۔

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، ہمدرد سینٹر، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی۔۷۴۶۰۰

نونہالوں، نوجوانوں کی کردار سازی

اور تعلیمی اداروں کے فرائض

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی .... **رپورٹ : حیات محمد بھٹی**

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی کے اجلاس میں مہمانِ خصوصی اکادمی ادبیات کے چیئر مین جناب ڈاکٹر محمد قاسم بگھیو تھے۔ قومی صدر ہمدرد نونہال اسمبلی محترمہ سعدیہ راشد کے ساتھ اراکین رکن شوریٰ ہمدرد محترم نعیم اکرم قریشی اور ڈاکٹر فرحت عباس نے بھی خصوصی شرکت کی۔ اجلاس کا موضوع تھا:

''نونہالو، نوجوانوں کی کردار سازی اور تعلیمی اداروں کے فرائض''

اسپیکر اسمبلی عائشہ اسلم تھیں۔ ابتدا تلاوتِ قرآن مجید اور ترجمے سے کی گئی۔ نونہال عبدالواسع نے ایک خوب صورت نعتِ رسولِ مقبولؐ پیش کی۔ نونہال مقررین میں مزمل خان جدون، ملک شاہ زیب، محمد طلحہ اور فتحیان طاہر شامل تھے۔

قومی صدر ہمدرد نونہال اسمبلی محترمہ سعدیہ راشد نے کہا کہ ماں کی گود بچے کی پہلی تربیت گاہ ہوتی ہے۔ ماضی کی بات ہے کہ جب سمجھ دار والدین کا یہ فیصلہ ہوتا تھا کہ جب تک بچے کی عمر چار سال چار مہینے اور چار دن نہ ہو جائے اسے کسی مدرسے یا اسکول میں داخل نہ کرایا جائے۔ اس عرصے میں ماں اس کی تربیت کرے اور باپ اپنا فرض ادا کرے۔ چھوٹی چھوٹی سبق آموز کہانیاں سنانا، بزرگوں کے واقعات بتانا، دعائیں یاد کرانا، اُٹھنے بیٹھنے کے آداب سکھانا اور بزرگوں کا ادب کرنا، یہ تمام کام ماں کے ذمے ہوا کرتے تھے۔ آج ماں کی گود کی جگہ کنڈرگارٹن اور مونٹیسوری نے لے لی ہے، لیکن غور کیا جانا چاہیے کہ کیا ان اداروں نے وطنِ عزیز سے محبت، احترامِ آدمیت، مذہبی رواداری، حلال اور حرام، سچ اور جھوٹ، بزرگوں

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی میں محترم ڈاکٹر محمد قاسم بگھیو، محترمہ سعدیہ راشد اور نونہال مقررین

کا احترام سکھایا؟ صحت مند معاشرے کی تشکیل میں طالب علم کا کردار کیسا ہو۔ کیا یہ تعلیمی ادارے اس سلسلے میں اپنے فرائض ادا کر رہے ہیں یا صرف دو جمع دو اور ایک بٹا تین کا سبق رٹا کر اپنی ذمے داریاں پوری کر رہے ہیں۔ ہم سب کو اپنا اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ آیندہ نسلوں کی عمدہ ذہنی نشو و نما کے لیے کون اپنا فرض ادا کر رہا ہے۔

محترم ڈاکٹر محمد قاسم بگھیو نے کہا کہ نوجوانوں کی کردار سازی میں تعلیم کی بہت اہمیت ہے، مگر تعلیم صرف درسی کتب پڑھنے اور ان سے متعلق امتحانات میں کام یابی حاصل کرنے کا ہی نام نہیں۔ چینی فلسفی کنفیوشس کے مطابق ایک بچے کی تربیت میں والدین، معاشرہ اور اسکول اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ہمارے تعلیمی ادارے آج صرف ایسے روبوٹ تیار کر رہے ہیں، جن کا مقصد صرف پیسہ کمانا ہے۔ ہم اچھے کلرک تو ملک کو فراہم کر رہے ہیں، مگر معاشرے کو اچھے انسان دینے میں ناکام ہو رہے ہیں۔ ہمیں اپنے بچوں کو اسلامی کتب، اچھے ادب، اچھی شاعری بالخصوص صوفیا کرام کے کلام سے آگاہ کرنا ہوگا۔ ایک معلم کی ذمے داری ہے کہ وہ مکمل تیاری کے ساتھ مدرسے میں جائے اور طالب علموں کی مکمل راہنمائی کا فریضہ سرانجام دے۔ صرف درسی کتب پڑھانے کو ہی اپنا فرض نہ سمجھے۔

اس موقع پر نونہالوں نے ایک دل چسپ خاکہ اور رنگا رنگ ٹیبلو پیش کیا۔ انعامات کی تقسیم کے بعد دعائے سعید پیش کی گئی۔ ☆

تصویر خانہ

احمد مسعود، بلو چانوالہ

سیدہ منابل حسن عابدی، پنڈ دادن خان

حافظ عابد علی، راولپنڈی

نائمہ، لانڈھی

مصباح، کراچی

محمد حزیفہ، لیاری

بشریٰ فاطمہ، لیاری

تسبیح محفوظ علی، کراچی

نونہال مصور

طوبیٰ فاروق حسین شیخ، شکار پور

عافیہ ذوالفقار، کراچی

حسن خاں، لیاقت آباد

پرنس سلمان یوسف سمیجہ، علی پور

راحم فرخ خاں، کراچی

کلثوم نواز، ڈیرہ اسماعیل خان

معصوم مجرم

جاوید اقبال

مجھے جنگل میں چھپے آج پانچواں دن تھا۔ پانچ دن سے میں جنگلی پھلوں اور درختوں کے پتے کھا کر زندہ تھا۔ ویسے میری جیب میں نوٹوں کی ایک گڈی بھی تھی، مگر اس جنگل بیاباں میں وہ رپے میرے لیے ردی کاغذوں کا ایک ڈھیر کی طرح تھے۔ خودرو جھاڑیوں میں چھپے ایک بڑے درخت کے کھوکھلے تنے کو میں نے اپنا ٹھکانا بنالیا تھا۔ سخت زمین پر نرم شاخوں اور پتوں کو بچھا کر بستر سا بنالیا تھا، جہاں میں چھپا رہتا۔ جب بھوک لگتی تو باہر نکلتا، ذرا کھٹکا ہوتا تو بھاگ کر اپنی پناہ گاہ میں چھپ جاتا۔

پانچ دن پہلے رونما ہونے والا وہ خوف ناک واقعہ بار بار میری آنکھوں کے سامنے اُبھرتا، جب میرے ہاتھوں ایک انسان کا قتل ہوگیا تھا۔

وہ ایک روشن صبح تھی جب جان پہچان کا ایک شخص میرے پاس آیا اور درخواست کی کہ میں اس کے ساتھ چلوں۔ اس نے بتایا کہ ایک لفنگا اسے تنگ کرتا ہے اور اس سے رقم مانگتا ہے۔ میں چوں کہ اچھے قد کاٹھ کا تھا اور تن سازی بھی کرتا تھا۔ علاقے میں میرا دبدبا بھی تھا، اس لیے وہ چاہتا تھا کہ میں اس کے ساتھ جا کر اس لفنگے کو ذرا ڈرا دھمکا دوں۔ مجھے چوں کہ اپنی دھاک بٹھانے کا ایک موقع مل رہا تھا، اس لیے میں اس کے ساتھ چل پڑا۔

اس نے مجھے ایک پستول بھی دیا اور کہا: ”یہ صرف اسے ڈرانے کے لیے ہے۔“

ہم اسی وقت وہاں پہنچ گئے۔ وہ شخص ایک زیرِ زمین تہ خانے میں بیٹھا تھا۔ میں نے اس سے بات کی تو اس نے ذرا اکڑ دکھائی۔ چناں چہ میں نے اسے ڈرانے کے لیے پستول نکال لیا۔ ہم میں ہاتھا پائی ہوئی۔ اسی دوران اچانک گولی چل گئی۔ وہ شخص خون

میں لت پت گر پڑا، جو شخص مجھے لے کر آیا تھا، بولا: ”یہ کیا کر دیا تم نے میں نے تو صرف ڈرانے کے لیے کہا تھا، تم نے اسے جان سے مار ڈالا۔“

اس نے مجھ سے پستول لے لیا اور کہا: ”جلدی یہاں سے بھاگ جاؤ، پکڑے گئے تو پھانسی چڑھ جاؤ گے۔“

میں وہاں سے بھاگنے لگا تو اس نے نوٹوں کی ایک گڈی مجھے تھما دی، ساتھ ہی پستول دے کر کہا: ''اسے کسی ویران جگہ پھینک دینا۔''

میں وہاں سے نکلا تو سخت گھبرایا ہوا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ کہاں جاؤں۔ گھر گیا تو پولیس پکڑ لے گی۔ رشتے داروں کے ہاں سے بھی ڈھونڈ نکالے گی۔ پھر میں نے جنگل میں چھپنے کا فیصلہ کرلیا۔ پستول کو میں نے جھاڑیوں میں پھینک دیا۔ جنگل میں تھوڑی سی تلاش کے بعد مجھے درختوں اور جھاڑیوں میں چھپی یہ کھوہ مل گئی اور میں یہاں چھپ گیا۔ بھوک لگتی تو جنگلی پھل یا پتے کھالیتا۔ قریب ہی ندی بہ رہی تھی، وہاں پیاس بجھالیتا۔

پانچ دن اور گزر گئے۔ ان دس دنوں میں مجھے کوئی انسانی شکل نظر نہ آئی تھی۔ تنہائی کاٹنے کو دوڑتی۔ جرم کا احساس الگ جان کھاتا۔ ہر وقت پکڑے جانے کا ڈر سا لگا رہتا۔ اتفاق سے ابھی کسی بڑے درندے سے میرا سامنا نہیں ہوا تھا۔ یہ خدشہ بھی ایک دن سامنے آ ہی گیا۔ میں اپنی پناہ گاہ میں بیٹھا تھا کہ ایک سیاہ چیز کو اِدھر آتے دیکھا۔ یہ ایک بڑا کالا ریچھ تھا، جو میری بُو سونگھتا اِدھر چلا آ رہا تھا۔ میں نے اپنی حفاظت کے لیے کچھ پتھر کھوہ میں جمع کر رکھے تھے۔ جیسے ہی ریچھ قریب آیا، میں نے زور سے چیخ ماری اور پتھر ریچھ کی تھوتھنی پر دے مارا۔ تھوتھنی پر لگی ہوئی چوٹ اور میری خوف ناک چیخ سے گھبرا کر ریچھ غراتا ہوا واپس بھاگ گیا۔

ریچھ تو بھاگ گیا، مگر مجھے ڈر کا لگ گیا کہ ریچھ کو میری موجودگی کا پتا چل گیا ہے۔ وہ اپنی چوٹ کا بدلہ لینے ضرور آئے گا۔ چناں چہ میں نے فیصلہ کیا کہ کوئی اور ٹھکانا ڈھونڈا جائے۔ میں کھوہ سے نکلا اور کوئی دوسرا ٹھکانا ڈھونڈنے لگا۔ ابھی تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ کچھ آہٹیں سنائی دیں۔ کچھ لوگ اِدھر آ رہے تھے۔ مجھے لگا جیسے وہ میری تلاش میں ہی آ رہے ہیں۔ میں بھاگا اور اپنی پناہ گاہ میں آ کر چھپ گیا۔ پھر آہٹیں اور آوازیں واضح

ہونے لگیں۔ ایک کتے کے بھونکنے کی آواز بھی آئی۔ وہ سدھائے ہوئے کتے کو لے کر میری تلاش میں آئے تھے۔ پھر کسی نے کہا: ''وہ یہیں ہے۔ اس کے قدموں کے نشان ہیں یہاں۔'' کھوجی کتا بھی جھنڈ کے پاس آ کے بھونکنے لگا۔

''تم پولیس کے گھیرے میں آ چکے ہو، باہر نکل آؤ۔'' ایک آواز آئی۔

اب چھپے رہنا بے کار تھا۔ میں نہتا تھا اور ان کے گھیرے میں آ چکا تھا۔ میں رینگتا ہوا کھوہ سے باہر نکل آیا۔

''آؤ آؤ۔'' پولیس کی وردی پہنے ایک افسر نے نرمی سے کہا۔ کتے کے علاوہ وہ چار آدمی تھے۔ مجھے گھیرے میں لے کر وہ چل پڑے۔

''میرا اسے جان سے مارنے کا ارادہ نہیں تھا۔ گولی اتفاقاً چل گئی۔'' میں نے اپنی صفائی میں کہا۔

پولیس انسپکٹر نے میری طرف دیکھا اور کہا: ''کچھ فکر نہ کرو، اصل مجرم گرفتار ہو چکا ہے اور اس نے اقرارِ جرم کرلیا ہے۔''

''لیکن پستول تو میرے ہاتھ میں تھا۔'' میں نے حیرت سے کہا۔

''ایک پستول مجرم کے پاس بھی تھا۔ جب تمھاری مقتول سے ہاتھا پائی ہوئی تو اس نے پیچھے سے اسے گولی ماردی۔ اس کی مقتول سے دشمنی تھی۔ اس نے سازش کی اور تمھیں ساتھ ملایا تھا، تاکہ اپنا جرم تمھارے سر تھوپ دے۔

''مگر آپ اس تک کیسے پہنچے؟'' میں نے اُلجھ کر کہا۔

''مقتول کے موبائل ڈیٹا سے مجرم کا مقتول سے موبائل پر رابطہ ہوا تھا۔ مجرم کا کہنا تھا کہ وہ بیچ بچاؤ کرا رہا تھا، مگر تمھارے پھینکے ہوئے پستول نے اس کا بھانڈا پھوڑ دیا،

کیوں کہ جب جھاڑیوں سے ہمیں وہ پستول ملا تو اس پر دو مختلف ہاتھوں کی اُنگلیوں کے نشان تھے۔ تمھیں پستول دیتے وقت اس نے چالاکی سے پستول بدل لیے تھے، مگر اپنی اُنگلیوں کے نشان مٹانا بھول گیا۔ جب ہم نے سختی کی تو اس نے سچ اُگل دیا۔''

''شکر ہے خدایا۔'' میں نے ایک لمبی سانس لے کر کہا۔

''اس آزمائش سے تم نے کیا سیکھا؟'' انسپکٹر نے پوچھا۔

''یہ کہ اپنی طاقت پر گھمنڈ نہیں کرنا چاہیے، عاجزی اختیار کرنی چاہیے اور......''

''اور سوچ سمجھ کر کسی پر اعتبار کرنا چاہیے۔'' انسپکٹر نے بات مکمل کردی۔

☆☆☆

نونہال ادیب

لکھنے والے نونہال

ارسلان اللہ خان، حیدرآباد	زمل فاطمہ صدیقی، کراچی
سلمان یوسف سمیجہ، مظفر گڑھ	محمد ابراہیم قریشی، راولپنڈی
اسماء شبیر احمد، حیدرآباد	شاہین طارق، کراچی

نعتِ رسولِ مقبولؐ

مرسلہ : ارسلان اللہ خان، حیدرآباد

رہبر و رہنما محمدؐ ہیں
ہاں ، مرے پیشوا محمدؐ ہیں
مقتدی سارے انبیاءؑ ٹھیرے
دیکھ لو مقتدا محمدؐ ہیں
رب بھی کرتا ہے پیار آقاؐ سے
اور رب پر فدا محمدؐ ہیں
اُمتِ محمدؐ کا قیامت میں
اک فقط آسرا محمدؐ ہیں
سارے باطل بتوں کو توڑ دیا
ایک حق کی صدا محمدؐ ہیں
کیوں نہ منزل کو ہو تلاش میری
جب میرے رہنما محمدؐ ہیں
پار کشتی ہو کیوں نہ اُمت کی
دیکھیے ، ناخدا محمدؐ ہیں
وہ مزمل ہیں ، وہ مدثر ہیں
احمدِ مجتبیٰ محمدؐ ہیں
اُن کے دامن کو تھام کر دیکھو
سب کے دکھ کی دوا محمدؐ ہیں
سب کتابوں میں ذکر ہے اُن کا
انبیاء کی دعا محمدؐ ہیں
رحمتِ عالمینؐ ہیں ، ہادیؐ ہیں
خاتم الانبیاء محمدؐ ہیں

پاکستان کا قومی ترانہ

سلمان یوسف سمیجہ، مظفر گڑھ

پاکستان بننے کے بعد قومی ترانے کے لیے ۱۹۵۰ء میں وفاقی حکومت کی طرف سے سردار عبدالرب نشتر کی سربراہی میں ایک کمیٹی قائم کی گئی۔

۱۹۵۰ء میں شہنشاہ ایران رضا شاہ پہلوی کے دورۂ پاکستان کے موقع پر ہنگامی طور پر قومی ترانے کی دُھن موسیقار احمد جی چھاگلہ نے تیار کی تھی۔

یہ دُھن پاکستان نیوی بینڈ کی مدد سے تیار کی تھی، جس میں مشرقی اور مغربی دونوں طرح کی موسیقی کا حسین امتزاج پیش کیا گیا تھا۔

قومی ترانے کی دُھن کا کل دورانیہ ایک منٹ اور بیس سیکنڈ ہے۔

قومی ترانے کی دُھن منظور ہونے کے بعد کمیٹی کی طرف سے اس دُھن پر ملک کے نامور شاعروں کو قومی ترانہ لکھنے کی دعوت دی گئی۔ نتیجے میں کمیٹی کو کل ۷۲۳ ترانے موصول ہوئے، لیکن وہ سب کے سب مسترد کر دیے گئے، کیوں کہ وہ قومی ترانے کی دُھن کی مطابق نہیں تھے۔

آخر پاکستان کے نامور شاعر ابوالاثر حفیظ جالندھری کا لکھا ہوا ترانہ منظور کر لیا گیا، جو انھوں نے خاص طور پر قومی ترانے کی دُھن کو سامنے رکھتے ہوئے لکھا تھا۔

پہلی بار ۱۳- اگست ۱۹۵۴ء میں ریڈیو پاکستان سے جناب حفیظ جالندھری کی آواز میں نشر کیا گیا۔

پاکستان کا قومی ترانہ فارسی زبان میں ہے، جس میں صرف ایک لفظ ''کا'' اردو زبان میں ہے، جب کہ لفظ ''پاکستان'' صرف ایک بار استعمال ہوا ہے۔

۱۹۵۵ء میں باقاعدہ طور پر ریڈیو پاکستان کراچی کے اسٹوڈیو میں قومی ترانے

کی ریکارڈنگ کی گئی، جس میں اس وقت کے گیارہ گلوکاروں نے حصہ لیا۔ ان میں احمد رُشدی، انور ظہیر، کوکب جہاں، شمیم بانو، رشیدہ بیگم، نجمہ آراء، زوار حسین، اختر عباس، نسیمہ شاہین، اختر وصی اور غلام دستگیر شامل تھے۔

اصل روپ

اسماء شبیر احمد، حیدر آباد

آج ۱۴- اگست تھی۔ پاکستان کے آزاد ہونے کی خوشی میں آج سڑکوں پر اور گلیوں میں خوب گہما گہمی تھی۔ کہیں سبز ہلالی پرچم لہرائے جا رہے تھے اور کہیں چھوٹے چھوٹے بچے ہم آواز ہو کر ملی نغمے گا رہے تھے۔ ایسے میں چند شرارتی لڑکوں کا ایک ٹولا وہاں آنکلا، جس کا کام دوسروں کو تنگ کرنا تھا۔ انھیں دیکھ کر سب بچے اپنا اپنا کھیل چھوڑ کر بھاگ گئے۔

قریب ہی ایک فٹ پاتھ پر ایک شخص بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ اس شخص کے بارے میں لوگوں نے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ وہ پاگل ہے۔ شکل وصورت سے نہ تو وہ فقیر لگتا تھا اور نہ پاگل، لیکن نہ جانے کیوں وہ کسی سے بات بھی نہیں کرتا تھا۔ اس وجہ سے بچوں کے اس شریر ٹولے نے اس کو دشمن ملک کا جاسوس قرار دیا۔

یہ شخص اپنے ہاتھ میں ایک تھیلا ضرور پکڑے رہتا تھا۔ جب بھی کوئی اس کو چھونے کی کوشش کرتا تو وہ غصے سے اس کے پیچھے دوڑتا۔

آج لوگوں نے عجیب منظر دیکھا۔ وہ شخص سڑکوں اور راستے پر گری ہوئی قومی پرچم والی جھنڈیاں چُن رہے تھے۔ بہت سارے بچے بھی اس کی دیکھا دیکھی سڑک پر سے جھنڈیاں چُن رہے تھے۔ اچانک سامنے سے ایک ٹرک آتا دکھائی دیا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ یہ شخص تو بھاگ جائے

گا، بچے ٹرک کے نیچے آ جائیں گے، لیکن
پھر اس آدمی نے بچوں سے کہا: ''جلدی
سے سڑک سے ہٹ جائیں۔'' سب بچے
فوراً اِدھر اُدھر ہو گئے، لیکن ایک چھوٹا بچہ
بھاگ نہ سکا۔ بوڑھے نے اس بچے کو ایک
طرف کو دھکیلا۔ ٹرک اتنا نزدیک آ چکا تھا
کہ وہ کوشش کے باوجود اپنے آپ کو نہ بچا
سکا اور ٹرک سے ٹکرا گیا۔ زخمی ہونے کے
باوجود اس نے اپنا تھیلا سینے سے لگا رکھا
تھا۔ تھیلا اب پھٹ چکا تھا اور اس میں
پاکستانی پرچم کی رنگ برنگی جھنڈیاں نظر
آ رہی تھیں۔ بے ہوشی میں بھی اس کے
چہرے پر ایک پُرسکون مسکراہٹ تھی، جیسے
وہ کہہ رہا ہو کہ دیکھ لی میری اصلیت! تم
سب مجھے پاگل کہتے تھے۔ دیکھو میرے
اس تھیلے میں کیا ہے۔ وہی چاند تارے
والی جھنڈیاں جس کو تم لوگ بڑی بے
دردی سے سڑکوں پر پھینک دیتے تھے۔

اب لوگوں کو معلوم ہوا کہ وہ اپنے
تھیلے کو ہاتھ کیوں نہیں لگانے دیتا تھا۔ اب
شرارتی لڑکوں کا ٹولا اپنے دل پر ایک
بوجھ محسوس کر رہا تھا۔ انھوں نے ہی تو اس
شخص کے بارے میں افواہیں پھیلائیں
تھیں۔ آج ان کو پتا چل گیا تھا کہ وہ پاگل
نظر آنے والا شخص کتنا محبِ وطن تھا۔

کچھ دنوں بعد جب وہ صحت یاب ہو کر
اسپتال سے آیا تو محلے کے بچوں نے اس
کے ساتھ مل کر قومی نغمے بھی گائے۔

دیے سے دیا جلتا ہے

زمل فاطمہ صدیق، کراچی

فاطمہ ایک بہت ذہین اور ہوشیار بچی
تھی۔ وہ ہمیشہ جماعت میں اول آتی اور
دوسروں کی مدد کرنے کو تیار رہتی تھی۔ ایک
دن فاطمہ اسکول سے گھر واپس آ رہی تھی۔
راستے میں ایک جگہ اس نے بڑا ہجوم دیکھا۔
وہاں میلے اور پھٹے پرانے کپڑے پہنے

ہوئے ایک بچے کو لوگ ڈانٹ رہے ہیں اور
اس کے ہاتھ سے کتابیں چھین رہے
ہیں۔ اس نے لوگوں سے پوچھا: ''آپ
سب اسے کیوں ڈانٹ رہے ہیں؟''

لوگوں نے بتایا: ''بیٹا! یہ ہمارے
بچوں کی کتابیں چھین رہا تھا۔''

فاطمہ کو یہ سن کر بڑی حیرانی ہوئی اور
اس نے بچے سے پوچھا: ''تم کتابیں کیوں
چھین رہے تھے؟''

بچے نے کہا: ''میرے ابو بہت
غریب ہیں، وہ دن رات محنت مزدوری
کرتے ہیں، مگر ان کی آمدنی اتنی ہے کہ وہ
گھر کا خرچ مشکل سے پورا کر پاتے ہیں۔
وہ میری پڑھائی کا خرچ کیسے اُٹھائیں
گے۔'' یہ کہہ کر اس بچے کی آنکھوں سے
آنسو بہنے لگے۔ فاطمہ یہ سن کر بہت دکھی
ہو گئی۔ اس نے بچے سے کہا: ''تم فکر نہ
کرو، میں تمھیں پڑھواؤں گی۔'' بچہ یہ
سن کر بہت خوش ہوا۔

فاطمہ نے کہا: ''اب تم گھر جاؤ، کل یہیں
مجھ سے ملنا۔'' بچہ خوشی خوشی اپنے گھر چلا گیا۔

فاطمہ گھر پہنچی تو اس کو بہت دیر ہو گئی
تھی۔ اس کی امی پریشان ہو کر دروازے
پر کھڑی تھیں۔ فاطمہ نے اپنی امی کو سب
کچھ بتا دیا۔ اس کی امی نے کہا: ''فاطمہ! تم
نے یہ بہت اچھا کام کیا۔''

رات کو جب فاطمہ کے ابو آفس سے
آئے تو فاطمہ کی امی نے انھیں ساری بات
بتائی۔ ابو نے بھی فاطمہ کو شاباشی دی اور
کہا: ''فاطمہ بیٹی! تم نے یہ بہت اچھا کام
کیا ہے۔ کل ہم بھی تمھارے ساتھ جائیں
گے اور اس بچے کے لیے کتابیں، کاپیاں
وغیرہ خریدیں گے اور تم یہ سب اس کو دے
دینا۔ ہم اس کو اسکول میں داخل کر کے
فیس بھی ادا کر دیں گے۔'' فاطمہ یہ سن کر
بے حد خوش ہوئی۔ دوسرے دن اس نے

اپنے والدین کے ساتھ جاکر اس بچے
فرحان کو اسکول میں داخلہ کرایا۔ برسوں
تک پڑھتے پڑھتے وہ محنتی بچہ ایک کالج
میں لیکچرار ہوگیا۔

ایک دن فرحان صاحب کالج میں
پڑھا کر گھر واپس آرہے تھے کہ راستے میں
ان کی نظر لوگوں کے ہجوم پر پڑی، لوگ زور
زور سے کسی کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے۔ فرحان
صاحب گاڑی سے اُتر گئے۔ دیکھا کہ بیچ مجمع
میں ایک بچہ زمین پر بیٹھا رو رہا ہے۔ معلوم
کرنے پر پتا چلا کہ بچہ اسکول سے کتاب
چھین کر بھاگ رہا تھا۔ فرحان صاحب کو یہ
سن کر کوئی حیرانی نہیں ہوئی۔ انھوں نے
آگے بڑھ کر اس بچے کو گود میں اُٹھا لیا۔

آخر کیوں!

محمد ابراہیم قریشی، راولپنڈی

یاسر اپنی دکان بند کرنے کے بعد گھر
کی طرف جا رہا تھا کہ اسے راستے میں
ایک آدمی اور ایک برقعہ پوش عورت جس
کے ہاتھ میں ایک ننھا بچہ بھی تھا نظر آئے۔
وہ مدد مانگ رہے تھے۔ یاسر نے گاڑی
روکی تو آدمی قریب آکر بولا: ''میرا بیٹا
بہت بیمار ہے۔ میری مدد کرو اور ہمیں
اسپتال تک چھوڑ دو۔'' یاسر نے ان کو
گاڑی میں بٹھا لیا۔ ابھی وہ تھوڑی دور ہی
گئے تھے کہ یاسر کو اپنی گردن پر کچھ دباؤ
محسوس ہوا۔ اس نے پیچھے مڑکر دیکھا۔
پیچھے دو خوف ناک آدمی اس پر گن تانے
بیٹھے تھے۔ انھوں نے یاسر سے گاڑی
رکوائی اور موبائل وغیرہ چھین کر گاڑی
سمیت فرار ہوگئے۔

اس دن کے بعد سے یاسر کو مدد مانگنے
والوں سے نفرت سی ہونے لگی تھی۔ اس واقعے
کو کافی عرصہ ہوگیا تھا، مگر یاسر اس کو نہ بھولا۔
اس نے بہت مشکل سے خود کو سنبھالا تھا۔

ایک دن وہ اپنے گھر جا رہا تھا کہ

اسے راستے میں ایک بوڑھا اور ایک بارہ
سالہ لڑکا نظر آیا، جو اس سے مدد مانگ
رہے تھے۔ لڑکا کافی بیمار لگ رہا تھا۔ یاسر
ان کو نظر انداز کر کے آگے بڑھ گیا۔ اگلے
دن جب یاسر اپنی دکان پر جا رہا تھا تو
اسے راستے میں ایک جگہ پر لوگوں کا ہجوم
نظر آیا۔ یاسر نے موٹر سائیکل روکی اور
ہجوم کو چیرتا ہوا آگے بڑھا۔ سامنے ایک
بوڑھا ایک لڑکے کی لاش کے ساتھ فٹ
پاتھ پر بیٹھا رو رہا تھا۔ یاسر نے اس سے
رونے کی وجہ پوچھی تو وہ بولا: ''رات سے
میرے بیٹے کو شدید بخار تھا۔ یہ میرا اکلوتا
بیٹا تھا۔ رات کو میں نے کئی لوگوں سے مدد
مانگی، مگر کسی کو مجھ پر ترس نہیں آیا۔ میرا بیٹا
مر چکا ہے اور میرے پاس اس کے کفن
دفن کے بھی پیسے نہیں ہیں۔''

یاسر کو اس پر بڑا ترس آیا۔ اس نے
بوڑھے کو لڑکے کے کفن دفن کے پیسے دیے
اور دکان کی طرف روانہ ہوگیا۔ راستے
میں وہ یہی سوچتا رہا کہ لٹیرے غریب بن کر
لوگوں کو لوٹتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں
مستحق لوگوں کے لیے نفرت پیدا کرتے
ہیں۔ کیوں ان کو رحم نہیں آتا؟ آخر کیوں؟

فضلو لکڑہارا اور تین بونے

شاہین طارق، کراچی

ندی کے قریب جنگل میں ایک لکڑہارا
اپنی بیوی اور دو بچوں کے ساتھ رہتا تھا۔
وہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر شہر کے ٹھیکیدار
کو فروخت کرتا، مگر شہر کے لوگ اور ٹھیکیدار
اس کو بہت کم معاوضہ دیتے۔ لکڑہارا اپنی
بیوی بچوں کی وجہ سے سب کچھ برداشت
کرتا اور شکر ادا کرتا کہ اتنا ہی بہت ہے
اور سوچتا کہ زیادہ معاوضے کی بات کی تو
شاید مجھے کم معاوضہ بھی نہ ملے تو میں کیا
کروں گا۔

اسی طرح دن گزر رہے تھے، لکڑ

ہارا بہت محنت سے کام کرتا۔ اس کے بچے بڑے ہو رہے تھے اور جنگل میں درخت کم ہوتے جا رہے تھے۔ اس کا گھر بھی چھوٹا پڑنے لگا تھا۔ آس پاس کے لوگ بھی شہر جانے کی تیاری کرنے لگے، درخت اور جنگل کی افزائش اور حفاظت کا ذمہ حکومت نے اپنے ہاتھ میں سختی سے لے لیا تھا۔ اس سے لکڑ ہاروں کی رہی سہی آمدنی بھی ختم ہوگئی۔ گھر میں بچے بھوک سے بے حال ہو رہے تھے۔ بیوی کے کہنے پر وہ ایک بار پھر گھر سے نکلا۔ آس پاس کے لوگ جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ اپنے پڑوسی کو بھی سامان لادتے دیکھ کر لکڑ ہارا اس کے پاس گیا۔

''کیا بات ہے کریم بھائی! تم بھی جا رہے ہو؟'' فضلو لکڑ ہارے نے پوچھا۔

''ہاں فضلو! میری مانو تو تم بھی چلو یہاں سے کچھ دور ایک گاؤں میں جوتے بنوانے کے لیے شہر سے ٹھیکیدار آیا ہے، سب وہیں جا رہے ہیں۔'' کریم بھائی سامان لادتے ہوئے بولے۔

اپنا جدی پشتی کام چھوڑ کر جوتے بنانے کا کام کرنا فضلو کو کچھ عجیب سا لگا۔

''نہیں کریم بھائی! میں لکڑی کا ہی کام کروں گا۔'' فضلو بولا۔

''ٹھیک ہے، مگر اب تم شہر کے ٹھیکیداروں سے زیادہ معاوضہ وصول کرنا، کیوں کہ اب لکڑیاں مشکل سے ملیں گی اور زیادہ معاوضہ تمھارا حق ہے۔''

کریم بھائی چلے گئے، مگر ان کی باتیں فضلو کے ذہن میں گونج رہی تھیں۔ اس نے سوچا آج ندی پار کے درختوں کو کاٹ کر لکڑی لاتا ہوں۔

''چل فضلو! آج ندی پار کر ہی لیتے ہیں۔'' اس نے خود سے کہا۔ اور تھکے تھکے قدموں سے ندی کی طرف چل پڑا، مگر وہاں درخت نہ ہونے کے برابر تھے۔ کچھ لکڑی جمع کر کے گاڑی پر لاد ہی رہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ تین بونے ندی میں ڈوبے ہوئے مدد کے لیے چیخ رہے ہیں۔

''بچاؤ بچاؤ کوئی ہے جو ہماری مدد کرے۔'' سب سے موٹا بونا پانی میں ہاتھ پاؤں ہلاتے ہوئے چلایا: ''جو ہماری مدد کرے گا، ہم اسے انعام دیں گے۔''

فضلو نے تینوں کو پانی سے باہر نکالا اور پوچھا: ''کیا دینا چاہتے ہو؟''

''آج رات جب ستارے چمکنے لگیں تو تم اسی جگہ آ جانا۔ اس جگہ تم کو تین صندوق ملیں گے، مگر تم صرف ایک ہی صندوق اُٹھا کر گھر لے جانا۔ دیکھو لالچ مت کرنا، کیوں کہ لالچ بُری عادت ہے۔ جس صندوق پر تم ہاتھ رکھو گے وہ تمھارا ہوگا اور اس میں تمھاری ضرورت کی ساری چیزیں ہوں گی۔ دوسرے دو صندوق ہمارے ایک اور محسن کے لیے ہیں۔'' بوڑھے بونے نے فضلو لکڑ ہارے کو سمجھایا۔

''ٹھیک ہے۔'' فضلو لکڑ ہارے کو ان کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے لکڑی اور کلہاڑی اُٹھائی اور گھر آ کر بیوی کو ساری باتیں بتائیں۔ بیوی بھی حیران تھی۔ اس نے کہا: ''تم رات کو ضرور اس جگہ جانا اور اپنے حصے کا صندوق لے آنا۔''

''ارے ہاں میں اپنے حصے کا ہی صندوق اُٹھاؤں گا۔'' فضلو لکڑ ہارا اپنی پگڑی اُتارتے ہوئے بولا۔

بچوں کے سو جانے کے بعد فضلو بونے کی بتائی ہوئی جگہ پر گیا۔ واقعی وہاں تین صندوق تھے۔ ستارے چمک رہے تھے۔ رات آدھی ہو چکی تھی۔ فضلو لکڑ ہارا سوچ رہا تھا کہ شاید تینوں بونے وہاں موجود ہوں گے، مگر ایسا نہیں تھا۔ بونوں کی غیر موجودگی میں اس کے دل میں لالچ پیدا ہوا: ''یہاں تو نہ بونے ہیں نہ ان کے محسن کیوں نہ میں ہی تینوں صندوق لے لوں اور ویسے بھی بونوں کو میرا گھر بھی معلوم نہیں کہ وہ میرے گھر آ کر باقی صندوق مانگیں۔'' وہ دل میں سوچ کر خوش ہوا۔

''نہیں فضلو یہ کسی اور کا حصہ ہے، تم صرف اپنا حصہ لے لو۔'' فضلو لکڑ ہارے کا

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

ضمیر چلّایا۔
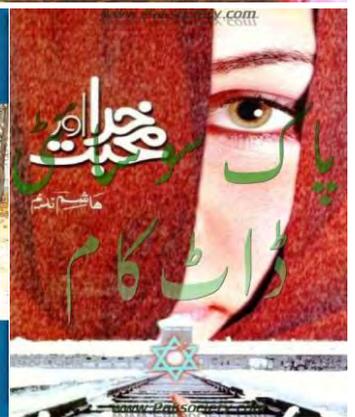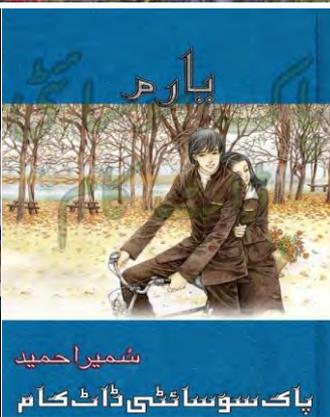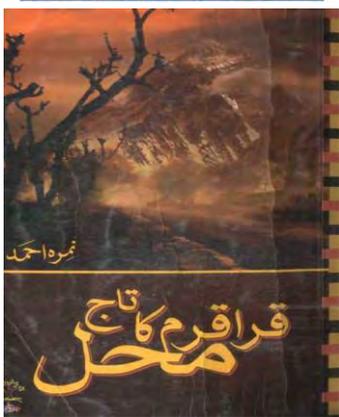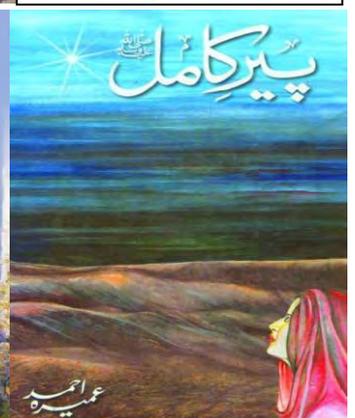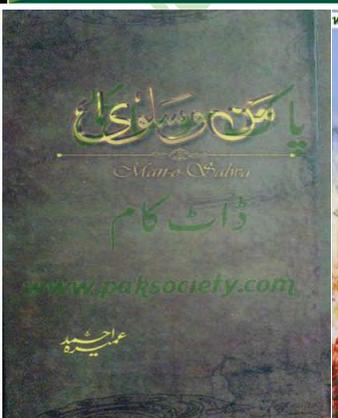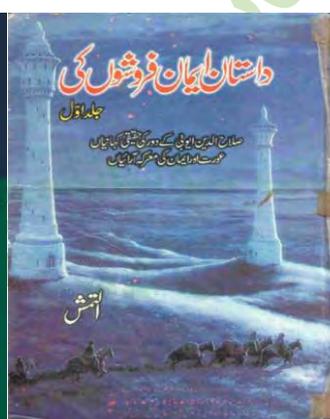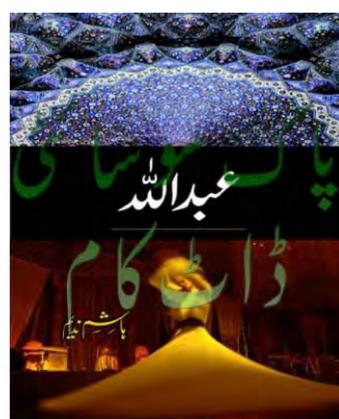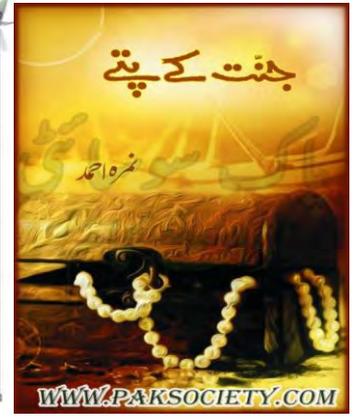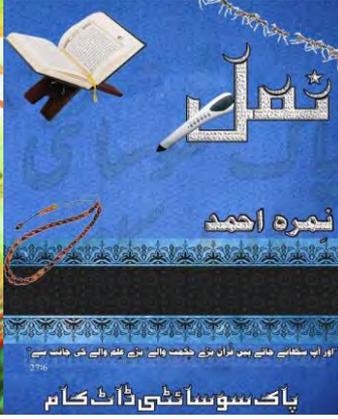
''شہر کے ٹھیکیدار بھی تو میرا حصہ کم دیتے تھے تب بھی چپ رہتا تھا۔ آج میں دوسروں کے حصے کا خیال کیوں رکھوں! کبھی نہیں ایسا موقع پھر ہاتھ نہیں آئے گا۔'' اس نے ضمیر کو ڈانٹ کر چپ کرا دیا اور صندوق کی طرف بڑھا پہلا صندوق کھول کر دیکھا تو اس میں کھانے پینے کی بے شمار چیزیں موجود تھیں، جنھیں وہ کافی عرصے تک کھا سکتے تھے۔ وہ بے شمار کھانے کی چیزیں دیکھ کر ہنسنے لگا۔ دوسرا صندوق کھول کر دیکھا۔ اس میں بے شمار زیورات موجود تھے۔

''یہ تمھارا حق نہیں ہے۔'' اس کا ضمیر چلّایا۔

فضلو لکڑ ہارے نے ضمیر کی آواز پر دھیان دیا۔ ہاں ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اس وقت مجھے ایمان داری سے کام لینا چاہیے اور صرف اپنے حصے کا صندوق لینا چاہیے۔ اس وقت میرے بچے بھوکے ہیں اس لیے مجھے کھانے پینے کی چیزوں کا صندوق لے جانا چاہیے۔ فضلو لکڑ ہارے نے شیطان کو مات دے دی۔

وہ کھانے کا صندوق گھر لے آیا بھوکے بچے بہت خوش ہوئے اور کھانے لگے۔ اِدھر بونے فضلو لکڑ ہارے کی ایمان داری سے بہت خوش ہوئے اور باقی دو صندوق بھی فضلو لکڑ ہارے کے گھر کے باہر رکھ کر خاموشی سے چلے گئے۔

صبح جب لکڑ ہارا گھر سے نکلا تو باقی دو صندوق دیکھ کر حیرت سے چلّایا: ''یہ کیا یہ میرے نہیں ہیں اور نہ میں ان کو لایا ہوں۔'' وہ اپنی بیوی سے کہنے لگا۔

''ہاں ہاں رات کو تم ایک ہی صندوق لائے تھے۔'' اس کی بیوی بولی۔

''یہ ہم لائے ہیں تمھاری ایمان داری کا انعام ہے۔'' بوڑھا بونا بولا اور یہ ہمارے محسن کے لیے ہے اور ہمارے محسن تم ہی ہو۔ وہ یہ کہہ کر تینوں بونے جنگل کی طرف چلے گئے۔

☆

آدھی ملاقات

یہ خطوط ہمدرد نونہال شمارہ جون ۲۰۱۶ء کے بارے میں ہیں

❁ مسعود احمد برکاتی کی کہانی ''سونے کی گیند'' ساری کہانیوں سے بازی لے گئی۔ اس کے علاوہ خالی گھر، بوجھ اُتر گیا، آخری دعوت، بلاعنوان کہانی، جاں نثار دوست اور دو درویش بھی بہت دل چسپ تھیں۔ گرما گرم گرمی اور آمدِ صیام مزے دار نظمیں تھیں۔ آیئے مصوری سیکھیں میں مصوری کرنے کا منفرد طریقہ بتایا گیا۔ روشن روشن لوگ (حبیب اشرف صبوحی) سب سے اچھا مضمون تھا۔ اس بار پہلی بات سلیم فرخی نے لکھی جو کہ بہت اچھی لگی، جاگو جگاؤ بھی مفید رہا۔ **سلمان یوسف سمیجہ، علی پور۔**

❁ ماہِ جون کا شمارہ سرورق سے لے کر نونہال لغت تک دل چسپ تھا، مگر سب سے اچھی چیز روشن خیالات ہیں۔ کیا ہم ایک ہی لفافے میں علم دریچے کی دو تحریریں بھیج سکتے ہیں؟ **خدیجہ نیئر، حیدر آباد۔**

جی ہاں، بھیج سکتے ہیں، لیکن ہر تحریر کے نیچے اپنا نام پتا ضرور لکھیے۔

❁ جون کا شمارہ بہت ہی پسند آیا۔ سرورق بہت اچھا تھا۔ جاگو جگاؤ اور روشن خیالات بہت معلوماتی تھے۔ کہانیوں میں سونے کی گیند، خالی گھر اور آخری دعوت بہت اچھی تھیں۔ ہنسی گھر میں لطیفے بہت مزاحیہ تھے۔ پرویز حسین، کراچی۔

❁ ہمدرد نونہال کی جتنی بھی تعریف کروں کم ہے۔ یہ رسالہ میرا بہترین دوست ہے۔ مجھے تو ساری کہانیاں، خاص طور پر بلاعنوان کہانی، نظمیں اور روشن خیالات بہت اچھے لگتے ہیں۔ ہر شمارہ اے ون ہوتا ہے۔ انکل! تعریف کیے بغیر میرا قلم ہی نہیں رک رہا تھا۔ **بشریٰ، غزالہ، انعم، ارم، زیبان، محمد محمود، سکھر۔**

❁ جون کا شمارہ بہت زبردست تھا۔ کہانیوں میں جاں نثار دوست اور بلاعنوان کہانی قابلِ تعریف تھیں۔ کہانی خالی گھر اور بوجھ اُتر گیا بھی بہترین کہانیاں تھیں۔ ''میرا بہترین دوست'' اتنی پسند آئی کہ اب تک میں اسے گیارہ بار پڑھ چکی ہوں اور ہر بار پڑھنے پر بہت مزا آتا ہے اور ہنس ہنس کر پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں۔ ایسی انوکھی اور مزے دار تحریریں ہر ماہ شائع ہونی چاہییں۔ مضمون ''ذہین ترین بچہ'' بھی ایک اچھی کاوش تھی۔ نظمیں تمام ہی زبردست تھیں۔ حرا سعید، جوہر آباد۔

❁ شمارہ جون اول تا آخر جگمگاتا رہا۔ اس کے تمام سلسلے نہایت اچھے اور دل چسپ ہیں، کچھ کہانیوں کو اچھا کہنا یقیناً باقی کہانیوں کے لیے ناانصافی کا سبب بنے گا۔ رمشا فاطمہ، میرپور خاص۔

❁ سرورق پر ہلکے رنگوں کا استعمال اور سیرت فاطمہ

کی تصویر خوب تھی۔ جاگو جگاؤ سے ہر بار بہت اچھا سبق ملتا ہے اور ہماری اصلاح ہوتی ہے۔ ہر مہینے کے خیال پر میں عمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ پہلی بات پڑھ کر بہت رنج ہوا۔ اللہ تعالیٰ جناب مسعود احمد برکاتی صاحب کو صحت و تندرستی عطا فرمائے آمین۔ روشن خیالات نونہالوں کو روشن خیال بناتے ہیں۔ نظموں میں آمدِ صیام، شہید پاکستان اور علم اچھی تھیں۔ کہانیوں میں بوجھ اُتر گیا، سونے کی گیند اور خالی گھر بہترین تھیں۔ معلومات ہی معلومات اور ذہین ترین بچہ اچھے مضمون تھے۔ علم دریچے میں فرازیہ اقبال اور شیخ حسن جاوید کی معلومات پسند آئیں اور اسامہ ظفر راجا فصیح کے ساتھ ساتھ ایم اختر اعوان نے بھی ہمارے علم میں اضافہ کیا۔ مقدس امام دین، عبدالرافع اور زنیر عاشر کے لطائف پسند آئے۔ نونہال ادیب میں سمیرہ بتول کا مضمون اچھا لگا۔ بیت بازی میں شمائلہ ذیشان، محمد وقار الحسن اور حسام عامر کے شعر پسند آئے۔ **محمد ارسلان صدیقی، گھوٹکی۔**

❁ آمدِ صیام نظم پڑھ کر ایمان تازہ ہو گیا۔ روشن روشن لوگ اور روزے دار بچے دونوں تحریریں سپر ہٹ تھیں۔ خالی گھر ایک مزے دار کہانی تھی۔ سونے کی گیند سبق آموز اور دل چسپ تھی۔ آخری دعوت کے انجام سے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ جاں نثار دوست ایک پیاری کہانی تھی۔ بوجھ اُتر گیا، اچھے لوگوں کی زندگی اور ان کی اچھائیوں کا عکس تھی۔ بلاعنوان کہانی نے ماں کی ممتا اور شفقت کا بھرپور احساس دلایا۔ علم دریچے اور نونہال ادیب میں نونہالوں کی کوششیں رنگ دکھلا رہی تھیں۔ دو درویش نے دلوں کو صاف کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا کہ بدگمانی کس قدر بُری چیز ہے۔ ہنڈکلیا سے ہماری بہنوں کو بڑا فائدہ ہوتا ہے۔ **محمد اسماعیل آزاد، محمد سرفراز، حیدر آباد۔**

❁ سرورق پر ہلکے رنگ گرمی کے موسم میں فرحت کا احساس دلا رہے تھے۔ جاگو جگاؤ نے اچھے خیالات کو جگایا۔ انکل کی ناساز طبیعت کے بارے میں پڑھ کر افسردہ ہو گئے۔ اس ماہ کا خیال ہمیشہ کی طرح بے نظیر تھا۔ کہانیوں میں میرا پیارا دوست (مستنصر حسین تارڑ) مزاح سے بھرپور تھی۔ بلاعنوان کہانی تھوڑا دکھی کر گئی، مگر اس کا اختتام ماں کی محبت سے لبریز تھا۔ بڑا اچھا لگا۔ غیر ملکی ادیب ٹالسٹائی کے قلم سے لکھی گئی کہانی لاجواب تھی۔ لطیفے بھی پسند آئے۔ باقی کہانیاں بھی مزے دار تھیں۔ دنیا کا ذہین ترین بچہ پڑھ کر ہم حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہو گئے۔ اگر اس طرح ذہانت کے ٹیسٹ ہمارے ملک میں منعقد کیے جائیں تو بے شمار ذہین بچے دنیا کے سامنے آ جائیں۔ میرے تمام بہن بھائیوں کو دو درویش والی کہانی بھی بڑی پسند آئی تھی۔ **سمیرہ بتول اللہ بخش، حیدر آباد۔**

❁ ہر ماہ کی طرح یہ شمارہ زبردست تھا۔ سرورق بہت

خوب صورت تھا۔ پہلی بات پڑھی تو یہ پتا چلا کہ مسعود صاحب بیمار ہیں۔ ان کے لیے دل سے دعا گو ہوں۔ تازہ شمارے میں تمام کہانیاں زبردست تھیں۔ خاص طور پر بلاعنوان کہانی (ٹالسٹائی)، آخری دعوت (جاوید اقبال)، جاں نثار دوست (نصرت شاہین) ٹاپ پر تھیں۔ نظموں میں گرما گرم گرمی (جوہر عباد) اور آمدِ صیام (شمس القمر عاکف) اچھی تھیں۔ باقی تمام شمارہ شروع سے لے کر آخر تک بہترین تھا۔ **حافظ عابد علی بھٹی، راولپنڈی۔**

❁ جون کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ پہلے نمبر پر کہانی خالی گھر رہی، دوسرے نمبر پر سونے کی گیند تھی، جب کہ تیسرے نمبر پر بلاعنوان کہانی رہی، اس بار لطیفے بہت اچھے تھے۔ **سیدہ اقراء اعجاز احمد، حیدر آباد۔**

❁ کہانیوں میں جاں نثار دوست بہت اچھی تھی۔ سونے کی گیند اور آخری دعوت سبق آموز کہانیاں تھیں۔ لطائف تو بہت ہی اچھے تھے۔ نظمیں ساری ہی اچھی اور عمدہ تھیں۔ **اصبح احمد، مظفر آباد۔**

❁ جون کا شمارہ ہر لحاظ سے زبردست تھا۔ تمام سلسلے بہت خوب تھے۔ کہانیوں میں سونے کی گیند، جاں نثار دوست اور بلاعنوان کہانی اپنے عروج پر تھیں۔ پہلی بات، جاگو جگاؤ سے لے کر نونہال لغت تک سب اے ون تھا۔ سرورق بھی بہت خوب تھا۔ **فاطمۃ الزہرا، اسلام آباد۔**

❁ جون کا شمارہ دیکھ کر اور پہلی بات پڑھ کر بہت پریشان ہوا۔ بس آپ کے لیے دعا کرتا تھا۔ کہانیاں، لطیفے اور معلومات وغیرہ پڑھ کر مسعود احمد برکاتی کا بہت خیال آیا۔ **صاحبزادہ محمد احمد غزنوی، ضلع دیر لوئر۔**

❁ جون کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ اس مرتبہ مسکراتی لکیریں بہت اچھی تھی۔ ساری کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ ان میں سب سے اچھی سونے کی گیند تھی۔ باقی کہانیاں بھی اچھی تھیں۔ میں نے بھی ایک کہانی لکھی ہے کیا آپ میری کہانی شائع کریں گے؟ **معاذ جاوید، کراچی۔**

اگر قابلِ اشاعت ہوئی تو باری آنے پر چھپے گی۔

❁ جون کا شمارہ شان دار تھا۔ سونے کی گیند، خالی گھر اور جاں نثار دوست بے مثال کہانیاں تھیں۔ آخری دعوت پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ بلاعنوان کہانی بھی لاجواب تھی۔ **فاروق احمد صدیقی، کراچی۔**

❁ جون کا شمارہ شروع سے آخر تک سپر ہٹ رہا۔ ہر کہانی اچھی تھی۔ **لائبہ فاطمہ محمد شاہد، میر پور خاص۔**

❁ جون کے شمارے کی ساری کہانیاں سپر ہٹ تھیں، مثلاً جاں نثار دوست، آخری دعوت، خالی گھر، بوجھ اُتر گیا۔ نونہال ادیب میں بی بی سمیرہ بتول کی تحریر ایک عظیم فلسفی، سبقت لے گئی۔ **عائشہ خالد اعوان ہزاروی، حویلیاں ہزارہ۔**

❁ جون کا شمارہ انتہائی شان دار تھا۔ چند تحریروں کے علاوہ سبھی تحریریں اچھی ہیں۔ **عباس علی مونی، کراچی۔**

❁ جون کا شمارہ بہت دل چسپ تھا۔ کہانیوں میں بلاعنوان کہانی بہت پسند آئی۔ ڈی، ایس، ایم، بشریٰ رانا، شیخوپورہ۔

❁ جون کا شمارہ بہت زبردست تھا۔ خاص طور پر بلاعنوان کہانی، جاں نثار دوست، سونے کی گیند بہترین تھیں۔ معلومات ہی معلومات بھی دل چسپ تھیں۔ نظمیں بھی بہت پسند آئیں۔ اسماء شبیر احمد، حیدر آباد۔

❁ جون کا شمارہ اپنی مثال آپ تھا۔ میرا بہترین دوست، سب سے بہترین تحریر تھی۔ معلومات ہی معلومات اچھا سلسلہ ہے۔ ایمن معین، کراچی۔

❁ جون کے شمارے میں سونے کی گیند، جاں نثار دوست، خالی گھر اور بلاعنوان کہانی پسند آئی۔ عبیرہ صابر، کراچی۔

❁ تازہ شمارہ پڑھ کر دل باغ باغ ہوگیا۔ روشن خیالات واقعی سونے سے لکھنے کے قابل تھے۔ نظموں میں علم، گرما گرم گری بہت زبردست تھی۔ تازہ شمارے کی تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ روزے دار بچے ایک اچھی تحریر تھی۔ بیت بازی کے تمام اشعار بہت پسند آئے۔ پرنس سلمان خان، کراچی۔

❁ ہر شمارے کی طرح جون کا شمارہ بھی زبردست اور لاجواب تھا۔ تمام کہانیاں بہترین تھیں۔ لطیفے بھی بہت پسند آئے۔ اس مہینے کا خیال بھی بہت اچھا تھا۔ محمد عقیل اعوان، نوشہرہ۔

❁ جون کا شمارہ خاص نمبر نہ ہونے کے باوجود بھی خاص نمبر ہی لگ رہا تھا۔ سرورق دیکھ کر میں خوشی سے جھوم اُٹھی۔ پہلے نمبر پر بلاعنوان کہانی، دوسرے نمبر پر سونے کی گیند اور تیسرے نمبر پر جاں نثار دوست اچھی لگی۔ خالی گھر، آخری دعوت اور بوجھ اُتر گیا بھی عمدہ کہانیاں تھیں۔ نونہال ادیب تحریروں میں نادان چڑا، پکی دوستی، شناخت اور ایک عظیم فلسفی اچھی کہانیاں تھیں۔ مضامین عمدہ تھے۔ خاص کر نسرین شاہین کا روزے دار بچے اچھا مضمون تھا۔ نظمیں عمدہ اور لاجواب تھیں۔ عالیہ ذوالفقار، کراچی۔

❁ جون کے سرورق کی تحریر بہت پیاری لگی۔ پہلی بات، روشن خیالات اچھی تحریریں تھیں۔ باقی کہانیاں بھی عمدہ تھیں۔ جاوید اقبال کی کہانی ''آخری دعوت'' اچھی لگی۔ دو درویش (بی بی سمیرا بتول) بھی اچھی کہانی تھی۔ زہیر ذوالفقار بلوچ، کراچی۔

❁ جون کا شمارہ بہت اچھا لگا۔ سرورق پر سیرت فاطمہ اچھی لگ رہی تھی۔ سونے کی گیند، خالی گھر، بوجھ اُتر گیا، جاں نثار دوست، آخری دعوت اور بلاعنوان کہانی اچھی اور عمدہ کہانیاں تھیں۔ جاگو جگاؤ، پہلی بات، روزے دار بچے، روشن روشن لوگ، ذہین ترین بچہ، معلومات ہی معلومات اور روشن خیالات اچھے لگی۔ آمدِ صیام، شہیدِ پاکستان، علم اور گرما گرم گری اچھی نظمیں تھیں۔ نونہال ادیب میں پکی دوستی،

نادان چڑا اور بنو گے نواب اچھی کہانیاں تھیں۔ ناعمہ ذوالفقار، کراچی۔

❁ ہر شمارے کی طرح جون کا شمارہ بھی اچھا تھا۔ سرورق پر سیرت فاطمہ بہت پیاری لگیں۔ جاگو جگاؤ میں ایک سبق چھپا ہوا تھا۔ روشن خیالات میں ارسطو کا قول سب سے اچھا لگا۔ کہانیوں میں سونے کی گیند، جاں نثار دوست، میرا بہترین دوست اور دو درویش اچھی لگیں۔ خالی گھر بہت ڈراؤنی لگی۔ ذہین ترین بچہ بہت معلوماتی تحریر تھی اور باقی سب تحریریں اچھی تھیں۔ مہر سلیم، کراچی۔

❁ ہر شمارے کی طرح جون کا شمارہ بھی زبردست اور لاجواب تھا۔ روشن خیالات میں بہت کچھ سیکھنے کو ملا اور ان شاء اللہ اسی طرح ملتا رہے گا۔ روشن روشن لوگ، بہت ہی اچھا مضمون تھا۔ بوجھ اُتر گیا، سونے کی گیند، جاں نثار دوست، خالی گھر، بلاعنوان انعامی کہانی، یعنی سب ہی کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ سمیرا زاہد، بھکر۔

❁ مجھے ہمدرد نونہال بہت اچھا لگتا ہے۔ اس میں کہانیاں لطائف، بیت بازی وغیرہ بہت اچھے ہوتے ہیں۔ نونہال میں ہر بار بلاعنوان کہانی اچھی سے اچھی ہوتی ہے۔ مجھے جون کے رسالے میں سب سے اچھی کہانی سونے کی گیند لگی۔ سمرا احمدانی، میرپور خاص۔

❁ جون کا شمارہ بہت ہی شان دار تھا۔ کہانیوں میں سونے کی گیند، جاں نثار دوست اور بلاعنوان کہانی بہت مزے کی تھیں۔ جاگو جگاؤ سے اچھا سبق حاصل ہوا۔ روشن خیالات پڑھنے سے دل میں ایک نیا ولولہ جوش وجذبہ پیدا ہوتا ہے۔ زینب بتول، اسلام آباد۔

❁ جون کا شمارہ لاجواب تھا۔ تمام کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ ہمدرد نونہال کا ہر انداز نرالا ہوتا ہے۔ نونہال ہمیشہ کی طرح بہت لاجواب تھا۔ خالی گھر پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ ایسی کہانیاں چھاپا کریں۔ لطائف نے ہنسا ہنسا کر لوٹ پوٹ کر دیا۔ سیدہ تسبیح محفوظ علی، کراچی۔

❁ اس بار کہانیوں میں سونے کی گیند، جاں نثار دوست اور خالی گھر اچھی کہانیاں تھیں۔ اس بار لطیفے بھی بازی لے گئے۔ عمیر مجید، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔

❁ اس بار کا سرورق خوب صورت تھا۔ بلاعنوان کہانی (ٹالسٹائی) بہت بہترین تھی۔ آخری دعوت (جاوید اقبال) بھی زبردست تھی۔ دو درویش (بی بی سمیرا بتول) بھی پسند آئی۔ میرا بہترین دوست (مستنصر حسین تارڑ)، روشن روشن لوگ (حبیب اشرف صبوحی) اور سونے کی گیند (مسعود احمد برکاتی) سب عمدہ تحریریں تھیں۔ باقی مستقل سلسلے بھی خوب تھے۔ کومل فاطمہ اللہ بخش، لیاری۔

❁ جون کے شمارے کی ساری کہانیاں اور مضامین بہت اچھے تھے۔ آپ ہمدرد نونہال میں کوئی جاسوسی ناول قسط وار شروع کریں۔ میں نونہال کا نیا قاری ہوں۔ محمد حذیفہ حسن، راولپنڈی۔ ☆

جوابات معلومات افزا - ۲۴۶

سوالات جون ۲۰۱۶ء میں شایع ہوئے تھے

جون ۲۰۱۶ء میں معلومات افزا - ۲۴۶ کے لیے جو سوالات دیے گئے تھے، ان کے درست جوابات ذیل میں لکھے جا رہے ہیں۔ ۱۶ درست جوابات دینے والے نونہالوں کی تعداد ۱۵ سے زیادہ تھی، اس لیے ان سب نونہالوں کے درمیان قرعہ اندازی کر کے ۱۵ نونہالوں کے نام نکالے گئے۔ ان نونہالوں کو ایک ایک کتاب روانہ کی جائے گی۔ باقی نونہالوں کے نام شائع کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ سورۂ محمد قرآن پاک کے ۲۶ ویں پارے میں ہے۔
۲۔ ''عتیق'' حضرت ابوبکر صدیقؓ کا لقب تھا۔
۳۔ حکومتِ پاکستان نے ۱۵- جولائی ۱۹۶۱ء کو چنبیلی (گل یاسمین) کو قومی پھول قرار دیا تھا۔
۴۔ پاکستان کے مشہور مصور عبدالرحمٰن چغتائی کے دو افسانوی مجموعے لگان اور کاجل شائع ہو چکے ہیں۔
۵۔ ممتاز سیاست داں چودھری خلیق الزماں، نامور سائنس داں ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی کے بھائی تھے۔
۶۔ مغل حکمراں محمد شاہ رنگیلا کا اصل نام روشن اختر تھا۔
۷۔ مشہور مسلمان عالم ابنِ بیطار ماہرِ نباتات تھے۔
۸۔ دنیا کا سب سے بڑا جزیرہ گرین لینڈ ہے۔
۹۔ اسلامی ملک برونائی دارالسلام نے یکم جنوری ۱۹۸۴ء کو برطانیہ سے آزادی حاصل کی۔
۱۰۔ ایران میں سلجوقی خاندان کے بانی کا نام طغرل بیگ ہے۔
۱۱۔ ایمونیا گیس برف جمانے کے بھی کام آتی ہے۔
۱۲۔ ''کلب'' عربی زبان میں کتے کو کہتے ہیں۔
۱۳۔ اردو کا پہلا باقاعدہ اخبار مولوی محمد باقر نے دہلی سے جاری کیا تھا۔
۱۴۔ کتاب ''صحرانورد کے خطوط'' میرزا ادیب کی تصنیف ہے۔
۱۵۔ اردو زبان کی ایک کہاوت یہ ہے: ''جس کی لاٹھی، اس کی بھینس''
۱۶۔ مرزا غالب کے اس شعر کا دوسرا مصرع اس طرح درست ہے:

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

قرعہ اندازی میں انعام پانے والے پندرہ خوش قسمت نونہال

☆ **کراچی:** محمد اختر حیات خان، محسن محمد اشرف، اُمیمہ طارق، عافیہ ذوالفقار، سیدہ جویریہ جاوید، عمارہ مزمل ☆ **حیدرآباد:** نسرین فاطمہ ☆ **لاہور:** عبدالجبار رومی انصاری۔
☆ **ٹنڈوالہیار:** مدثر آصف کھتری ☆ **بہاول پور:** قرۃ العین عینی۔
☆ **خان پور:** مبشرہ مسعود خواجہ۔ ☆ **جنڈ:** سید محمد حسین شاہ ☆ **سانگھڑ:** محمد ثاقب منصوری۔
☆ **راولپنڈی:** ملک محمد احسن۔ ☆ **کوٹلی:** زرفشاں بابر۔

۱۶ درست جوابات دینے والے قابل نونہال

☆ **کراچی:** نور حیات خان، احتشام شاہ، طلحہ سلطان شمشیر علی، بہادر، عبدالرحمٰن خان، احسن محمد اشرف، محمد معین الدین غوری، محمد ایاز حیات خان، محمد اعجاز حیات، خنسہ علی، وانیہ جنید، ایمن عتیق، سیدہ ردا حسن، یوسف کریم، ناعمہ ذوالفقار، محمد اسد، علینا اختر، سید باذل علی اظہر، سید شہظل علی اظہر، سید صفوان علی جاوید، سیدہ سالکہ محبوب، سیدہ مریم محبوب، خدیجہ عروج، محمد مصعب علی ☆ **حیدرآباد:** عائشہ ایمن عبداللہ، ماہ رخ ☆ **لاہور:** امتیاز علی ناز ☆ **ٹوبہ ٹیک سنگھ:** سعدیہ کوثر مغل، محمد بلال مجید، عمیر مجید ☆ **بہاول پور:** ایمن نور، احمد ارسلان، صباحت گل، محمد انس ☆ **پشاور:** محمد حمدان ☆ **میرپورخاص:** فیروز احمد۔

۱۵ درست جوابات بھیجنے والے سمجھ دار نونہال

☆ **کراچی:** محمد عثمان غنی، بلال خان، صائمہ صلاح الدین، نوال نیر، مسکان فاطمہ، سمیع اللہ خان، رضی اللہ خان، محمد آصف انصاری، بشریٰ عبدالواسع، نیہا رفیع، ارحم ظفر ☆ **ٹنڈو جام:** عائشہ خان خانزادہ ☆ **وہاڑی:** مومنہ ابو جی صاحب ☆ **ڈیرہ غازی خان:** رفیق احمد

ناز ☆ ڈیرہ اسماعیل خان: فراست زہرا ☆ ٹنڈو الہیار: اُم ہانی عثمان ☆ حیدر آباد: ایمن زہرہ ☆ کالا گجراں: سیماں کوثر۔

۱۴ درست جوابات بھیجنے والے علم دوست نونہال

☆ کراچی: علی حسن خان، محمد فہد الرحمٰن، کساء فاطمہ، ظہیر عالم، شاہ محمد ازہر عالم، ایمن معین ☆ میر پور خاص: صنم محمد صالح اجن، ارم محمد صالح اجن، وجیہ احمدانی ☆ ملتان: احمد عبداللہ ☆ خانیوال: ہادیہ فاطمہ ☆ سکھر: فلزا مہر ☆ راولپنڈی: محمد ارسلان ساجد ☆ چکوال: ضحیٰ زینب ☆ کوئٹہ کینٹ: فاطمہ جواد۔

۱۳ درست جوابات بھیجنے والے محنتی نونہال

☆ کراچی: احمد حسین، کومل فاطمہ اللہ بخش، سعد عباسی، عائشہ نثین ☆ میر پور خاص: آمنہ سیال، شہیرہ بتول ☆ ساہیوال: رمشا سرور۔

۱۲ درست جوابات بھیجنے والے پُر امید نونہال

☆ کراچی: محمد جلال الدین اسد خان، رضوان ملک امان اللہ، فضل ودود خان، سندس آسیہ، ایمن شاہ، حاشر بن وسیم ☆ پنڈ دادن خان: سیدہ مبین فاطمہ عابدی، ملک محمد طفیل ☆ بھکر: سمیر ازاہد ☆ لاہور: محمد سعد آفتاب۔

۱۱ درست جوابات بھیجنے والے پُر اعتماد نونہال

☆ کراچی: اینہ شاداب، سمیعہ توقیر ☆ حیدر آباد: عبداللہ۔ عبداللہ ☆ سرگودھا: آمنہ زاہد خورشید علی۔

☆☆☆

بلاعنوان کہانی کے انعامات

ہمدرد نونہال جون ۲۰۱۶ء میں عظیم روسی ادیب ٹالسٹائی کی بلاعنوان انعامی کہانی شائع ہوئی تھی۔ اس کہانی کے بہت اچھے اچھے عنوانات موصول ہوئے۔ کمیٹی نے بہت غور کر کے تین اچھے عنوانات کا انتخاب کیا ہے، جو تین نونہالوں نے مختلف جگہوں سے بھیجے ہیں۔ تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ ادھوری پہچان : وقاص رفیق، کراچی

۲۔ اپنے ہوئے پرائے : عمیر مجید، ٹوبہ ٹیک سنگھ

۳۔ کڑوا سچ : ایمن فاطمہ، ملتان

﴿ چند اور اچھے اچھے عنوانات یہ ہیں ﴾

ماں کا خط۔ بیٹا بنا مہمان۔ ممتا کی آنکھیں۔ مانوس اجنبی۔ اپنے گھر میں مہمان۔ ممتا کے رنگ۔ ممتا کا امتحان۔ خون کی کشش۔ ممتا کی تڑپ۔ وہ تم ہی تھے۔

ان نونہالوں نے بھی ہمیں اچھے اچھے عنوانات بھیجے

☆ کراچی: اختر حیات خان، نور حیات خان، احمد حسین، محمد عثمان غنی، احتشام شاہ، علی حسن خان، محمد جلال الدین اسد خان، طلحہٰ سلطان شمشیر علی، رضوان ملک امان اللہ، فضل ودود خان، محمد اویس، بلال خان، عبدالرحمٰن خان، بہادر، محمد فہد الرحمٰن، صفی اللہ، اعجاز حیات خان، محسن محمد اشرف، احسن محمد اشرف، محمد معین الدین غوری، محمد ایاز حیات خان، طاہر مقصود، ایمن معین، عیشہ صابر، حفصہ اعجاز، مسکان فاطمہ، ناعمہ تحریم، مصامص شمشاد غوری،

رباب، محمد اسد، صدف آسیہ، عبدالمصطفیٰ، عافیہ ذوالفقار، ناعمہ ذوالفقار، اُمِ کلثوم، مہر سلیم، معاذ جاوید، زوبیہ یمین، یمنیٰ کریم، حمزہ فاروقی، اریبہ افروز، آمنہ زین، حافظہ ایلیا فاطمہ، ردا بشیر، سیدہ ردا حسن، ثوبیہ قادری، وانیا جنید، ایم اختر اعوان، سبیرہ ریحان باری، سیدہ تسبیح محفوظ علی، کومل فاطمہ اللہ بخش، مناہل شایان صدیقی، ظہیر عالم، شاہ بشریٰ عالم، سمیعہ توقیر، محمد اویس رضا عطاری، پرویز حسن، عباس علی مونی، علینا اختر، شازیہ انصاری، سکینہ فرقان، فاطمہ احسان، اُمِ حبیبہ، شاہ زیب شاہد، عمارہ مزمل، سیدہ سالکہ محبوب، سیدہ مریم محبوب، سید باذل علی اظہر، سید شہظل علی اظہر، سید صفوان علی جاوید، سید عفان علی جاوید، حاشر بن وسیم، سارہ عبدالواسع، نیہا رفیق، زمل فاطمہ صدیقی، زینب صبرین، اقرا خالد، مسز انعم سبحان، مریم علی، فاروق احمد صدیقی، سمیع اللہ خان، رضی اللہ خان، ارحم ظفر ☆ **سرگودھا:** راجا مرتضیٰ خورشید علی، سارہ اشفاق، فرحان ظفر ☆ **ٹوبہ ٹیک سنگھ:** بلال مجید، سعدیہ کوثر مغل ☆ **بہاول پور:** ایمن نور، احمد ارسلان، قرۃ العین عینی، صباحت گل، محمد شکیب، محمد عثمان غنی، محمد انس ☆ **حیدرآباد:** زوہا بابر کھوکھر، سمیرہ بتول اللہ بخش سعیدی، ایمن زہرہ، ارسلان اللہ خان، صارم ندیم، مریم بنت کاشف، شفا، شیبا رانی، عائشہ ایمن عبداللہ، عمر احمد، نبیرا، اسما بنت شبیر احمد ☆ **راولپنڈی:** عائشہ خالد، حافظ عابد علی بھٹی، سیدہ زینب ☆ **سانگھڑ:** محمد عاقب منصوری، عائشہ اسلام، اُسامہ ☆ **میر پور خاص:** وجیہہ احمدانی، عائشہ مہک، سکینہ سیال، ولید علی اجن، فیضان علی اجن، فاطمہ بتول، ایمن مبشرہ شاہد ☆ **سکھر:** بشریٰ محمد محمود شیخ، فلزا مہر، طیب فواد ☆ **خانیوال:** عروہ فاطمہ، ملک محمد طلحہٰ محمود، محمد شفان الحق ☆ **فیصل آباد:** معز علی راشد، عائشہ اسلم،

عطاء الرحمٰن، محمد عبداللہ بن اعظم ☆ **پنڈ دادن خان:** سیدہ مبین فاطمہ عابدی، ملک محمد طفیل ☆ **لاہور:** عبدالجبار رومی انصاری، فاطمہ ولی خان، فرح عاصم، ناعمہ خالد، محمد فاران علی ☆ **ساہیوال:** رمشا سرور ☆ **پشاور:** محمد حیان، سعد اللہ ☆ **صادق آباد:** صفویٰ طالب، نازیہ علی ☆ **اسلام آباد:** زینب بتول ☆ **لیہ:** ثوبیہ عابد ☆ **کوٹ ادو:** شیخ عاصم عزیز ☆ **ڈہرکی:** سیماب آصف ☆ **نوشہرہ:** محمد عقیل اعوان ☆ **ٹنڈو جام:** عائشہ خان خانزادہ ☆ **بھکر:** سمیرا زاہد ☆ **لودھراں:** حافظ محمد سفیان شاہین ☆ **نواب شاہ:** ثوبیہ رانی محمد رمضان مغل ☆ **ڈیرہ غازی خان:** رفیق احمد ناز ☆ **نوشہرو فیروز:** محمد حسنین قریشی ☆ **چکوال:** ضحیٰ زینب ☆ **وہاڑی:** مومنہ خالد ☆ **ٹنڈو الہیار:** مدثر آصف کھتری ☆ **خان پور:** مبشرہ مسعود خواجہ ☆ **کوئٹہ:** عائشہ جواد ☆ **شیخوپورہ:** بشریٰ رانا ☆ **اوکاڑہ:** سائرہ بشیر ☆ **مالاکنڈ:** اشتیاق احمد ☆ **علی پور:** سلمان یوسف سمیجہ ☆ **دیر لوئر:** صاحبزادہ محمد احمد غزنوی ☆ **کوٹلی:** محمد جواد چغتائی ☆ **مظفرآباد:** اصبح احمد ☆ **گوکھی:** اسحاق گڈانی ☆ **جہلم:** محمد افضل۔

تحریر بھیجنے والے نونہال یاد رکھیں

☆ اپنی کہانی یا مضمون صاف صاف لکھیں اور اس کے پہلے صفحے پر اپنا نام اور اپنے شہر یا گاؤں کا نام بھی صاف لکھیں۔ تحریر کے آخر میں اپنا نام پورا پتا اور فون نمبر بھی لکھیں۔ تحریر کے ہر صفحے پر نمبر بھی ضرور لکھا کریں۔

☆ بہت سے نونہال معلومات افزا اور بلاعنوان کہانی کے کوپن ایک ہی صفحے پر چپکا دیتے ہیں۔ اس طرح ان کا ایک کوپن ضائع ہو جاتا ہے۔

☆ معلومات افزا کے صرف جوابات لکھا کریں۔ پورے سوالات لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

☆

نونہال لغت

لفظ	تلفظ	معنی
نرسل	نَ رْ سَ ل	ایک قسم کا پودا، جس کے درمیان میں سے سرکنڈے کی شکل کی سخت شاخ نکلتی ہے۔
خودرو	خُ دْ ر و	خود بخود اُگا ہوا۔ جنگلی۔ بغیر کاشت کے اُگا ہوا۔
معلق	مُ عَلْ لَ ق	لٹکا ہوا۔ لٹکایا ہوا۔ آویزاں۔
ماہی	مَا ہِی	مچھلی۔
بساند	بِ سَا نْ د	بدبو۔ سڑاند۔ سڑی ہوئی چیز کی بو۔
حریص	حَ رِ یْ ص	لالچی۔ دیکھا دیکھی کام کرنے والا۔
کھاڑی	کھَا ڑِ ی	خلیج۔ پانی کا وہ تنگ قطعہ جو دور تک خشکی میں چلا گیا ہو۔
سوگوار	سو گْ وَ ا ر	غمگین۔ مغموم۔ دکھ میں مبتلا۔ ماتمی۔
سرگوشی	سَ رْ گو شِی	کان میں بات کہنا۔ کانا پھوسی۔
جھرنا	جھَ رْ نَا	آبشار۔ بلند جگہ سے گرتا پانی۔ چھاننے کا سوراخ دار کف گیر۔
دریافت	دَ رْ یَا فْ ت	تحقیق۔ تلاش۔
شعار	شِ عَا ر	چلن۔ طور۔ طریقہ۔
دائم	دَ ا ءِ م	ہمیشہ۔ سدا۔ مدام۔
حبس	حَ بْ س	ہوا کا بند ہو جانا۔ قید۔ بند۔ قید خانہ۔ جیل۔ گھٹن۔
گنجان	گُ نْ جَا ن	گھنا۔ پاس پاس۔ متصل۔
کفالت	کَ فَا لَ ت	ذمے داری۔ کسی خرچ اُٹھانا۔ ضامنی۔
مداخلت	مُ دَ ا خَ لَ ت	دخل دینا۔ دست اندازی۔